دوسرے مسلک پر فتویٰ

دینے کے اصول وضوابط

ضرورتِ شدیدہ ،قوت دلیل اور سہولت کی بنیاد پر افتاء بمذہب الغیر ،تتبعِ رخص، اختیارِ اخف ، اتباع ہویٰ ،تلفیقِ مبطل ،صحیح مقاصد کے لئے تلفیق کا جواز ، مذہب کے قول ضعیف پر عمل ، ائمہ اربعہ کے علاوہ کے اقوال پر فتویٰ ،نقل مذہبی میں ارباب افتاء سے رجوع وغیرہ مختلف موضوعات پر محققین اصولیین کے ذکر کردہ اصول وضوابط ۔

مؤلف

(حضرت مولانا) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (صاحب)

استاذ تفسیر وحدیث وفقہ و

مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا ، بھروچ، گجرات، الہند۔

تفصیلات

نام کتاب: دوسرے مسلک پر فتویٰ دینے کے اصول وضوابط

مؤلف : (مولانا) مفتی اقبال محمد ٹنکاروی (صاحب)
(مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات)

صفحات : ۱۵۷

سن طباعت: ۲۰۱۰ء مطابق ۱۴۳۱ھ (طباعت اول)

تعداد : ۱۰۰۰

کمپوزنگ : مولانا محمد یوسف سندراوی (خادم دارالعلوم ماٹلی والا)

قیمت : Rs. 50

ملنے کا پتہ

MO.IQBAL MUHAMMAD [S.B] { Tankarvi }

DARULULOOM ISLAMIYYAH ARBIYYAH

MATLI WALA

Eidgah Road.Bharuch.GUJ. INDIA -392001

E-mail : mct_1969@yahoo.co.in

Website: www.matliwala.co.in

انتساب

میں اپنی اس کتاب کو مادر علمی ''**دارالعلوم فلاح دارین**'' ترکیسر ضلع سورت، گجرات کی طرف منسوب کرتے ہوئے انتہائی خوشی وسعادت محسوس کررہاہوں، جس کی آغوش تربیت نے اس ناچیز کو کچھ لکھنے، بولنے کی قابلیت بخشی۔

نیز فلاح دارین کو خوں جگر اور آہِ سحر سے سینچنے والے ماہر نفسیات، استاذ محترم ومربی جلیل **حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی** دامت برکاتہم کا بھی ممنون ومشکور ہوں، جو اس کتاب کی تحریر کے محرک اول ہیں۔

مشفق ومربی ماہر معقول ومنقول **حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری** دامت برکاتہم کا بھی صمیم قلب سے شکرگذار ہوں کہ فقہ وفتاوی کا قلم چلانے کی سعادت کا مظہر اول آپکی ذات والا گرامی ہی ہوئی، اور مزید یہ کہ آپ کے ادارے میں ہونے والے فقہی سیمنار کے کلیدی خطبات نے ہی اس موضوع پر قلم چلانے کے لئے آمادہ کیا۔

فجزاہم اللہ تعالی احسن الجزاء۔

دعائیہ کلمات

از : ۔ پیر طریقت شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتھم

حامدا ومصلیا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ماشاءاللہ عزیزم مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی ابھی ''**میڈیا کے اعتراضات و جوابات**'' لکھکر حضرات اہل علم وجدید تعلیم یافتہ لوگوں سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی علمی وتحقیقی کام انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالی قبول فرمائے۔ آمین

اب ہمارے سامنے ان کی تازہ تصنیف مسوّدہ کی شکل میں ''**دوسرے مسلک پر فتویٰ دینے کے اصول وضوابط**'' موجود ہے، اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے بالاستیعاب دیکھنے سے تو عاجز ہوں، مگر مولانا کی علمی استعداد اور ذوقی اعتدال کی وجہ سے امید قوی ہے کہ ان شاءاللہ یہ مجموعہ امت کے خواص علماء کے لئے بصیرت افروز ثابت ہوگا۔

اس کیلئے دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس انتشار وتشتت کے دور میں راہ تحقیق وا فرمائے جوامت کیلئے موجب اطمینان وسکون ثابت ہوگا ان شاءاللہ تعالی۔

(حضرت مولانا) **محمد قمرالزماں الہ آبادی** (صاحب دامت برکاتہم)

یکم شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ

تـــقـــريـــظ

رئیس الجامعہ مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتھم

پچھلے چند سالوں سے امت کا ایک طبقہ اپنی سہولت پسندی کی وجہ سے بار بار اس نظریہ کو پھیلا رہا ہے کہ ''دین میں یسر ہے عسر نہیں'' اس لئے فقہاء اور ائمہ مجتہدین کے مختلف اقوال میں امت کے لئے جس میں سہولت ہو اس کو اختیار کرلیا جائے، کسی متعین مذہب کی پیروی ضروری نہیں، مگر اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے میں بہت خطرات ہیں۔

اگر ہر شخص کو اس کی خواہشات اور رجحان کے مطابق بلاشرط اجازت دے دی جائے تو یہ دین کے ساتھ مذاق ہوگا، اور مذہب بچوں کا کھیل بن کر رہ جائے گا۔

اسی لئے ہمارے محققین نے ضرورتِ شدیدہ کے موقع پر اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب کے قول کو اختیار کرنے کیلئے شرائط بیان کئے ہیں تا کہ مشکل حالات میں اور زمانہ کے احوال کے تغیر کے وقت امت شریعت کے دائرہ میں رہ کر زندگی کے مسائل حل کرسکیں۔

اسی اہم مسئلہ پر ہمارے عزیز مکرم مولانا محمد اقبال ٹنکاروی صاحب زادہ اللہ علماً وشرفاً نے یہ رسالہ تیار کیا ہے جس میں ائمہ متقدمین اور فقہاء کے اقوال جمع کر کے ''دوسرے مسلک پر فتوی دینے کے اصول وضوابط'' بہت سلیس اور صاف انداز میں تحریر فرمائے ہیں۔

جس کے مطالعہ کے بعد مسئلہ بالکل واضح ہوجاتا ہے، اللہ تعالی موصوف کی اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرماوے اور اجر عظیم عطا فرماوے۔

وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم .... ھذاما عندی و اللہ اعلم بالصواب.

(حضرت مولانا) **عبداللہ صاحب کاپودروی** (دامت برکاتہم)

۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ/۲۳؍ستمبر ۲۰۱۰ء

تــــقــــريـــظ

حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظاہری
بانی وناظم جامعہ مظہر سعادت ،ہانسوٹ

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد وآله وأصحابه أجمعين .أما بعد !

اسلام ایک جامع اور مکمل نظام حیات کا نام ہے،اورتا صبح قیامت چوں کہ کسی اوردین وشریعت کا تصور ہی نہیں اس لیے اسلام میں ایسی لچک اور خوبی ہے کہ زمانہ خواہ کتنی ہی ترقی کرجائے ،اسلام کے آفاقی اصولوں کی روشنی میں ایک متوازن ،سہل اور معتدل راہ عمل ہمیشہ لوگوں کے سامنے رہے گی ،اسلام بنیادی طور پر انسانیت کے لیے عسر کے بجائے یسر کی راہ تجویز کرتا ہے، چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: **بعثت بالحنفية السمحة** (الجامع الصغیر :ج ر۳،ص ر۲۰۳)لہذا ایک مفتی اور عالم دین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوگوں کو مشقت سے بچائے اور یسر وسہولت کی راہ اپنائے ،اسی لیے حاجت وضرورت شدیدہ کی بناپر شرائط معتبرہ کے ساتھ خروج عن المذہب کی بھی اجازت ہے (دیکھئے :فواتح الرحموت:۲ر ۴۰۲)واصول الفقہ للدسوقی (ص ر۲۶۵)،چنانچہ ماضی قریب میں ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ اس کی ایک قابل تقلید عملی پیش رفت ہمارے سامنے ہے ،لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہیکہ شریعت نام ہی احکام کی پابندی کا ہے،اس لیے سہولت پسندی اور اتباع ہوی کی خاطر آسانیاں تلاش کرنا شریعت کا مذاق اڑانا ہے،اس لیے ہمارے علماءاورفقہاء نے بالغ نظری سے کام لیتے ہوئے ہمارے لیے ایک معتدل اور متوازن راہ متعین کردی ہے اور محض تتبع رخص اور تلفیق بین المذاہب سے منع فرمایا ہے۔امام غزالیؒ فرماتے ہیں: **ليس للعامي أن**

ینقي من المذاهب في كل مسألة أطيبها عنده فيتوسع (المستصفی: ۲/ ۱۲۵)امام شاطبیؒ لکھتے ہیں: وليس تتبع الرخص واختيار الأقوال بالتشهي إلا ميل مع أهواء النفوس والشرع جاء بالنهي عن اتباع الهوى والتخرص. (الموافقات: ۹۳/۴) ،اگرچہ محقق ابن الہمام نے التحریر میں اوران کے فاضل تلمیذ ابن امیر الحاج نے اس کی شرح (۳۵/۳) میں تتبع رخص کے باب میں توسع سے کام لیتے ہوئے جواز کا قول کیا ہے۔

گزشتہ ۱۲-۱۵/فروری ۲۰۱۰ء میں جامعہ مظہر سعادت میں منعقد انیسویں فقہی سیمنار کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ملک کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ العالی صدر شعبۂ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند نے یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ کیوں نہ معاملات میں افتاء بمذہب الغیر کی اجازت دی جائے؟ ظاہر ہے یہ انتہائی نازک اور حساس مسئلہ ہے،جس پر ملک کے ارباب علم کو یقیناً غور کرنا چاہئے ۔ہمارے عزیز گرامی قدر محترم جناب مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی مدظلہ استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ بھی اس نشست میں موجود تھے،انہوں نے مسئلے کی نزاکت کے پیش نظر ایک بار پھر مسئلے سے متعلق علماء راسخین کی آراء کی تنقیح کر کے ایک زبردست علمی کارنامہ انجام دیا ہے۔

مولانا محترم علمی حلقوں کے لیے محتاج تعارف نہیں ہیں ،دور طالب علمی سے محنت ومواظبت ،سنجیدگی ومتانت اور علمی چیزوں سے رغبت کے حوالے سے اپنا ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں،کئی علمی اور تحقیقی مقالات وکتب مولانا کے قلم سے اردو اور گجراتی میں منصۂ شہود پر آچکی ہیں،مولانا کی وسعت قلبی اور سیر چشمی ہے کہ انہوں نے مجھے بھی چند سطور تحریر کرنے کے لیے کہا۔اور ازراہ نوازش انتساب میں بھی میرا نام شامل فرمایا۔مولانا کے کسی بھی علمی کام سے

مجھے خصوصیت کے ساتھ حددرجہ مسرت ہوتی ہے،اور میں دل سے اس کی قدر کرتا ہوں،ظاہر ہے صلاحیت اور صالحیت کے جامع ایسے موفق افراد کی ہماری علمی دنیا کو سخت ضرورت ہے جو اپنے اساتذہ کی توقعات کے مطابق علم و تحقیق کے کارواں کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔زیر نظر رسالہ میں مولانا نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مسئلے کی تنقیح کے ساتھ اکابر کی آراء اور مجامع فقہیہ کے فیصلوں کو تحریر کردیا ہے۔

دعا ہے کہ مولانا کا اشہب قلم ہمیشہ رواں رہے اور اللہ پاک اس رسالے کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے مزید علمی و دینی خدمات کی توفیق ارزانی فرمائیں۔آمین

(حضرت مولانا)**مفتی عبداللہ مظاہری**(صاحب دامت برکاتہم)

بانی وناظم جامعہ مظہر سعادت،ہانسوٹ

۱۸رشوال المکرّم ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر	مضامین	صفحہ

نمبر	مضامین	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین ، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ،اما بعد!

اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے انیسویں فقہی سیمنار (منعقدہ ۲۷ تا ۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ) کے افتتاحی پروگرام میں محدث جلیل حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب دامت برکاتہم نے اپنے خطاب میں دیگر ائمہ کرام کے مسلک پر فتویٰ دینے کے سلسلے کے ضابطوں کے متعین کرنے کی طرف اجمالی اشارے فرمائے ، اور اسی نشست میں مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی دامت برکاتہم نے بھی اس مسئلہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے دیگر ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دینے کے سلسلے میں آداب وشرائط متعین کرنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔

اس اہم اور حساس مسئلہ کی طرف اپنے ان دونوں اکابر حضرات کی رہنمائی نے بندہ کے دل میں یہ داعیہ پیدا کیا کہ اس مسئلہ میں ہمارے فقہائے کرام نے اصولی طور پر کافی کچھ ابحاث ذکر کی ہیں، تو ان فقہائے کرام کی ہی عبارات کو جمع کر کے پیش کردیا جاوے تاکہ حضرات اہل علم کو یہ مواد ایک ہی جگہ مل جاوے۔

مدارس اسلامیہ کے اصول فقہ کے نصاب میں اجتہاد اور تقلید وتلفیق کے مضامین عموما پڑھائے نہیں جاتے ،نورالأنوار میں ادلۂ ثلاثہ (کتاب وسنت اور اجماع) سے ہی بحث ہوتی ہے، اور حسامی میں اگرچہ باب القیاس ہی پڑھایا جاتا ہے،لیکن اسمیں قیاس کی شرطیں اورائمہ کرام کے طریقۂ استدلال پر ہی زیادہ (مناظرانہ انداز میں) گفتگو کی جاتی ہے۔

شعبہ افتاء کے نصاب میں اگر چہ رسم المفتی ، مقدمۂ ردالمحتار اور الأ شباہ والنظائر میں ضرورت وحاجت کے ضمن میں مسائل کو ذکر کیا گیا ہے؛ لیکن اس کے حدود وشرائط پر تفصیلی گفتگو نہیں کی گئی ہے۔

اللہ تعالی جزائے خیر عطاء فرمائے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کہ آپ نے **مسئلۂ مفقود الخبر** میں مالکی مذہب پر فتوی دینے کے ضمن میں **افتاء بمذهب الغير** کے مسئلہ کو اٹھایا اور اپنی معرکۃ الآراء کتاب **الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة** میں اس کے قواعد وشرائط کو اجمالاً نقل کرتے ہوئے علامہ شامیؒ کی رسم المفتی اور مقدمۂ شامی کی عبارتوں کی مکمل وضاحت فرمائی ، اور علامہ شامیؒ کی عبارتوں سے جن حضرات نے استدلال کرتے ہوئے مسئلہ مفقود الخبر میں مالکی مسلک پر عمل کرنے سے انکار کیا تھا، حضرت حکیم الامتؒ نے علامہ شامی کی ان ہی عبارتوں کی ایسی دل نشین تقریر فرمائی کہ وہ خود حضرت تھانویؒ کے مستدلات میں سے ہو گئیں۔

بندہ نے جمعیۃ علمائے ہند کے ماتحت ادارہ المباحث الفقھیہ کے چوتھے فقہی اجتماع کے موضوع **''دوسرے مسلک پر فتوی اور عمل کے حدود وشرائط''** کے لئے کچھ مواد تیار کیا تھا اور پھر گذشتہ چند سالوں سے دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا کے شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء کے طلبہ کو اصول فقہ کے اجتہادات کے مباحث پڑھانے کا موقع ملا تو اس ضمن میں کئی جدید و قدیم نئے مراجع سے استفادہ کا موقع ملا، تو اب ان تمام کتابوں کے مضامین کو یکجا کر کے حضرات اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

واضح رہے کہ دوسرے ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دینے کے سلسلے کے اصول وضوابط مجموعی طور پر ائمہ اربعہ کے نزدیک یکساں ہی ہیں ، اس لئے تمام مسالک کے اصولیین کی

کتابیں اوران کے مجتہدین حضرات کی عبارات کونقل کیا گیا ہے،تا کہ مسئلہ کے اتفاقی ہونے کو ثابت کیا جاوے۔ کچھ مضامین کا تکرار بھی اسی لئے ہوا ہے کہ ایک ہی مسئلہ کو مذاہب اربعہ کے علمائے اصول نے مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔

تقلید وتلفیق کے عنوان کے ماتحت کئی دیگر جزئیات بھی اصولیین حضرات نے نقل کئے ہیں،لیکن یہ تمام مباحث چھوڑ کرصرف افتاء بمذہب الغیر ،تتبع رخص اور تلفیق کے مسئلہ کو ہی گفتگو کا محور بنایا ہے۔

مسئلہ اپنی نزاکت اور حساسیت کی وجہ سے اہل افتاء کی توجہ کامحتاج ہے، کتاب کا عنوان ہی یہ بات متعین کر دیتا ہے کہ اس کا تعلق اہل افتاء سے ہے عام مسلمانوں سے نہیں ہے،لہٰذا کوئی عامی آدمی بلکہ اہل علم بھی اس کے کسی ایک مسئلہ کو پڑھ کرخود دوسرے اماموں کے قول پر عمل کرنا ہرگز شروع نہ کرے؛ بلکہ کتاب میں مذکورہ تمام اصول وضوابط خاص کر کے خلاصۂ بحث کو پڑھ لیں۔ اور اسکے بعد اہل افتاء سے رجوع کرے ،اور وہ حضرات بھی انفرادی طور پرفتویٰ نہ دیں، بلکہ دیگر مفتیان کرام سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بڑے پتے کی بات فرماتے ہیں'' کہ آج جب کہ ان مسائل کوحل کرنے کے لئے یہ عام رجحان پیدا ہوا، پورے عالم اسلام میں خاص طور پرعرب ممالک میں یہ رجحان پیدا ہوا، کہ ان معاملات کوحل کرنے کے لئے مختلف مذاہب سے رہنمائی حاصل کی جائے ، اور کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کی جائے ، جب یہ لے آگے بڑھی تو اس نے ''جمع بین المذاہب'' کا راستہ اختیار کرلیا۔ اس لئے میری گذارش یہ ہے کہ بے شک دوسرے مذاہب (فقہی مسالک) خاص طور پر معاملات کے اندر، دوسرے مذاہب سے لے لینے کی گنجائش ہے،لیکن یہ اس وقت جب کہ

واقعی کوئی ضرورت داعی ہواور واقعۃً اس سے مسلمانوں کے کسی اجتماعی مسئلہ کا حل نکالنا مقصود ہو، اس صورت میں اس کی گنجائش ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ جب ہم کسی ایک جانب جھکیں تو ایسا نہ ہو کہ دوسری جانب کا خیال ہمارے دل سے اوجھل ہو، یہ کام بڑا نازک ہے، یہ پل صراط ہے، تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ (دین کی تفہیم وتشریح اوراجتہاد: ص/۱۱،۱۲)

حنفیہ میں سے امام قدوری، ابن ہمام، امیر بادشاہ، شاہ ولی اللہ وغیرہم اور دیگر مذاہب کے بھی کچھ اصولیین حضرات نے یہ بات ذکر کی ہے کہ انتقال مذہب کے مانعین نے عدول مذہب سے ''سدذریعہ'' کے طور پر روکا ہے؛ کیوں کہ آزادطبیعت کے لوگ ہر لمحہ ایسی چیزوں کی تلاش میں رہتے ہیں جن سے حرام کو حلال کرسکیں، اوراپنے فاسداغراض کی تکمیل کی خاطر وہ شاذاقوال اور مذاہب کی رخصتوں کواختیار کرتے ہیں۔

انتقال مذہب کے مانعین نے اس لئے منع فرمایا تاکہ لوگ رخص مذاہب کی پیروی نہ کرے کسی شرعی مانع کی وجہ سے نہیں روکا، کیونکہ شریعت میں اخف پر عمل کرنے سے نہیں روکا گیا ہے، بلکہ آپ ﷺ تو اپنی امت کیلئے آسان اوراخف معاملات ہی پسند فرماتے تھے؛ لیکن ضروری ہے کہ یہ اتباعِ رخصت شریعت کو کھلونا بنانے کے طریقہ پر نہ ہو، جیسے کسی حنفی کا شوافع کی رائے پر شطرنج کھیلنا (لہولعب کے قصد سے) اورکسی شافعی کا مثلث شراب پینا احناف کے قول کے مطابق (اس سے کھیلتے ہوئے) تو یہ سب افعال حرام ہوں گے کیونکہ نصوص قطعیات کو کھلونا بنانا حرام ہے۔

(امیر بادشاہ، تیسیر التحریر: ۴/۲۵۵، ابن امیر الحاج التقریر والتحبیر: ۳/۳۵۳، فتاوی ابن تیمیہ: ۲/ ۲۳۹، رسم المفتی: ص/۶۷)

بندہ نے اس قسم کی عبارتوں کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے کیونکہ یہ کتاب اردو زبان میں ہے، اوران حضرات کے اقوال کو اصولیین نے تساہل قرار دیا ہے جیسے کہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اپنے عربی رسالہ ''**اتمام الخیر فی الافتاء بمذھب الغیر**'' میں شرائط افتاء بمذہب الغیر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **وبه صرح العلامه کمال المحقق ابن الھمام فی تحریر الاصول ۳/ ۳۵۰ وفیه من المساھلة فی ھذا الباب مالا ینبغی اظھاره والساعة فی زماننا ھذا غلبة الفساد واتباع الھویٰ.**

خلاصۂ بحث میں بھی حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں : **قلت: ھذا رأی المتقدمین من مشائخنا الحنفیة حیث لم یشترطوا الضرورة الشدیدة والاضطرار بل اکتفوا علی اشتراط عدم تتبع الرخص واما زماننا ھذا فھو زمان اتباع الھویٰ واعجاب کل ذی رأی برأیه والتلاعب بالدین فتتبع الرخص متعین ومتیقن باعتبار الغالب الاکثر .فلا یجوز الابشرط الضرورة الشدیدة وعموم البلویٰ والاضطرار کما ذکره العلامة ابن العابدین فی رسالته عقود رسم المفتی وقدمر منا نصه والله سبحانه وتعالی اعلم وعلمه اتم واحکم.(جواھر الفقه : ۲/ ۱۶۶)**

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ اصل مقصود اتباعِ ہویٰ سے بچنا ہے اور چونکہ اس کی تدبیر اس ہویٰ پرستی کے زمانہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ عمل کرنے والوں کو آزاد نہ چھوڑا جاوے، بلکہ امام واحد کی تقلید پر مجبور کیا جاوے، اس لئے تقلید شخصی بوجہ ذریعہ مقصود ہونے کے واجب قرار دی گئی۔ اس حقیقت کے واضح ہوجانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ائمۂ اربعہ کی تقلید یا کسی دوسرے امام معین کی تقلید کے ثبوت کے لئے

ضروری نہیں کہ قرآن وحدیث میں ان کا نام بتلایا گیا ہو یا ان کی تعیین کو ضروری کہا گیا ہو، کیونکہ قرآن وسنت مقاصد شرعیہ کی تصریح کرتے ہیں ان کے ذرائع کی تصریح کرنا ضروری نہیں، جیسے حج کا فرض ہونا قرآن وحدیث میں منصوص ہے، مگر ریل اور جہاز یا موٹر اور اونٹ جن کے ذریعہ حج کے مقصود تک رسائی ہوتی ہے ان میں سوار ہونے کی ضرورت کی تصریح یا جہاز کے نام کی تعیین کتاب وسنت میں ڈھونڈنا واقفیت اور بے علمی کی دلیل ہے، اس لئے اگر کتاب وسنت میں کہیں بھی تقلید شخصی کا ثبوت تصریحاً نہ ہوتا، تب بھی صرف اتباعِ ہویٰ کی ممانعت تقلید شخصی کے ثبوت کے لئے کافی تھی۔

لیکن حضراتِ صحابہ کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے کہ قرن اول میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں، عام حضراتِ صحابہ علماء صحابہ کی تقلید کرتے تھے، پھر ان میں بھی بعض تو مطلقاً بلا تعیین کے کبھی کسی عالم کی اور کبھی کسی دوسرے بزرگ کی تقلید کر کے عمل کرتے تھے، کیونکہ وہ حضرات اتباع ہویٰ کے خطرہ سے محفوظ و مامون تھے۔ اور بعض اس وقت بھی تقلید شخصی پر عامل تھے، جس کی ایک نظیر اہل مدینہ کے حضرت زید بن ثابتؓ کی تقلید شخصی سے ملتی ہے تفصیلی واقعہ صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (فتح الباری: ۲/۴۶۳)

مفتی حضرات اس قسم کی عبارتوں کے مفاہیم سیاق وسباق کی روشنی میں اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں، لہذا ان کو ذکر نہ کرنا ہی مناسب سمجھا ہے، البتہ اجمالی و ضمنی طور پر اسکا ذکر کہیں کہیں آ گیا ہے ، تو اس سے کوئی غلط مفہوم نہ نکالا جاوے، کیونکہ وہیں دونوں اقوال کا تطابق بھی ذکر کر دیا ہے۔

البتہ معاملاتِ فاسدہ اور عموم بلویٰ کے پیش نظر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت تھانویؒ نے یہ رسائل تحریر فرمائے ہیں، جیسے کہ مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں: **ان فی زماننا هذه**

قد شاعت المعاملات الفاسدة والباطلة فی التجارات والاجارات وعمت بها البلویٰ ، ومشائخ الأئمة الاربعة متفقون علی جواز العمل والفتویٰ عند البلویٰ والاضطرار العام علی ای مذهب من مذاهب الفقهاء المجتهدین یوجد فیه الرخصة والسهولة ولکن مشروطا بشرائط کیلا یتجاسر العوام فی التلعب بالدین واتباع الهویٰ . (جواهر الفقه: ۱/ ۱۵۸)

بندۂ ناچیز نے بھی اسی مقصد کے پیش نظر یہ چند اصول وضوابط کو تفصیلی عبارتوں کے ساتھ نقل کیا ہے، تاکہ حضرات فقہائے کرام امت کی موجودہ ضروریات کو مقاصد شریعت اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں حل فرمائیں۔

شیخ طریقت، مشفقی ومربی **حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب اله آبادی دامت برکاتهم** کا انتہائی ممنون ومشکور ہوں کہ حضرت والا نے دعائیہ کلمات ارشاد فرما کے احقر کی ہمت افزائی فرمائی، حق تعالیٰ شانہ امت پر آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

مشفقی ومربی مفکر ملت **حضرت مولانا عبدالله کاپودروی صاحب** دامت برکاتہم اور ماہر معقول ومنقول استاذ محترم **حضرت مولانا مفتی عبدالله صاحب مظاهری** دامت برکاتہم کا انتہائی ممنون ومشکور ہوں کہ ان دونوں بزرگوں نے انتہائی مصروفیت کے باوجود تقریظات لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء

اس کتاب کے مسودہ کی تبییض کے لئے عزیز القدر مولانا رشید احمد منوبری، مولانا امتیاز ولنوی اور مولانا یوسف سندراوی (اساتذۂ دار العلوم ماٹلی والا) کا بے حد ممنون ومشکور ہوں، خاص کر کے عزیزم مولانا رشید احمد منوبری صاحب جو میری تمام عربی، اردو تحریرات کے

مسودات کی تبییض میں بڑا تعاون فرماتے ہیں۔

حق تعالی شانہ ان تمام حضرات کے علمی ،عملی وروحانی درجات میں ترقی نصیب فرمائے۔آمین بحرمت سید المرسلین ﷺ۔

(حضرت مولانا) **مفتی اقبال محمد ٹنکاروی** (دامت برکاتہم)
مہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا،بھروچ گجرات،الہند۔

۲۰ ؍رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ مطابق ۳۱؍اگست ۲۰۱۰ء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک ھی امام کی تقلید :

قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں جہاں احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں اتباع ہویٰ سے بار بار منع فرمایا گیا، اسی لئے حضرات فقہائے کرام احکام میں اتباع ہویٰ کے سخت مخالف ہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی تجربہ سے معلوم ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ جس مسئلہ میں جس امام کے مسلک پر عمل کرنا چاہے کر سکتے ہیں تو وہ دین کو کھلونا بنادیں گے لہذا اتباع ہویٰ سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کے عوام کو امام واحد کی تقلید کا پابند کیا جاوے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے فتاوی (ج:۲،ص/۲۴۰) میں تفصیل سے یہ بات لکھی ہے کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص خواہشات کی پیروی کرنے کیلئے ائمۂ مجتہدین کے مذاہب تلاش کرتا ہے اور اپنی خواہش پر عمل کر کے اسکو کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ خدا تعالی اور رسول ﷺ کا متبع نہیں بلکہ متبع ہویٰ ہے **لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح الذریعة ان یکون التحرم والتحلیل بحسب الاھواء** اسی طرح کتاب المیز ان میں بھی ہے:ص/۲۸۔

شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہر شخص کو یہ کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہے اختیار کرے تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کرے گا کل دوسرے مسلک پر اور اسطرح اتباع خداوندی کے بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا۔ (البلاغ، مفتی شفیع صاحب نمبر:۴۱۹)

المسودة لابن تیمیه میں ہے: **لو اخذت برخصة کل عالم اجتمع فیک الشرکة، وفی المعنی آثار عن علی وابن مسعود ومعاذ وسلیمان وفیه مرفوعًا عن النبی ﷺ وعن عمر. (المسودة: ص/۴۲۳)**

علامہ شوکانی تتبع رخص کے بارے میں فقہاء کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر مقلد ہر مذہب کے آسان قول کو اختیار کرے تو ابواسحٰق مروزی کہتے ہیں کہ اسے فاسق قرار دیا جائے گا، ابن ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ فاسق قرار نہیں دیا جائے گا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نبیذ کے مسئلہ میں اہل کوفہ (حنفیہ) کے قول پر اور سماع موتی کے مسئلے میں اہل مدینہ کے قول پر اور متعہ کے مسئلہ میں اہل مکہ کے قول پر عمل کرے تو وہ فاسق ہو جائے گا، اور حنابلہ کے قاضی نے خاص طور پر مجتہد کو فاسق قرار دیا جب کہ مجتہد کا اجتہاد رخصت تک نہ پہونچے اور عامی جو اس مسئلہ اور رخصت میں اس مجتہد کی اتباع کرلے، حالانکہ وہ اس مسئلہ میں تقلید کی وجہ سے اتباع نہیں کر رہا ہے؛ (بلکہ تتبع رخص کی خاطر ایسا کر رہا ہے) تو چونکہ اس اتباع کی وجہ سے اس نے اپنے فریضہ تقلید میں کوتاہی کی اس لئے فاسق قرار پائے گا، ہاں! اگر عامی تقلید کرتے ہوئے رخصت پر عمل کرے تو اسے فاسق نہیں قرار دیا جائے گا؛ کیوں کہ اس نے اس شخص کی تقلید کی جسے اجتہاد کا حق ہے، اور ابن عبدالسلام نے کہا کہ اس کے فعل کو دیکھا جائے گا، چنانچہ اگر اس نے ایسا کام کیا جس کا شریعت میں حرام ہونا مشہور ہے تو وہ گنہگار ہوگا ورنہ نہیں''۔ (ارشاد الفحول :۲۷۲، مباحث فقہیہ :۱۷۴)

ائمۂ اربعہ میں تقلید کا انحصار :-

تقلید شخصی میں اب ائمہ ٔ اربعہ کے علاوہ کسی کی تقلید جائز نہیں ہوگی اور یہ انحصار کوئی عقلی یا شرعی نہیں ؛لیکن مشیت الٰہی سے چار مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب کے ائمہ کے صرف چند اقوال کتب فقہیہ میں باقی رہ گئے جو تقلید کیلئے ناکافی ہے۔

ابن خلدون فرماتے ہیں:

ثـم درس مذهب اهل الظاهر اليوم بدروس ائمته وانكار الجمهور عليه ولم يبق الا فی الكتب المجلدة ، دوسری جگہ فرماتے ہیں: وقف التقليد فی الامصار عـنـد هـؤلاء الاربعة ودرس المقلدون لمن سواهم وسد الناس باب الخلاف وطرقه. (جواهر الفقه : ١/ ١٣٢)

شیخ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:

انعقد الاجماع على عدم العمل بالمذاهب المخالفة للائمة الاربعة .

(تيسير التحرير: ج/۴، ص/ ٢٥٥)

ملا جیون تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں: والا نـصـاف ان انـحـصـار الـمذهب فی الاربـع فـضـل الهـی وقبـوليتـه مـن عـنـد الله تعالى؛ لا مجال فيه التوجيهات والادلة .(جواهر الفقه : ١/ ١٣٢)

علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں: مـن كـان خـارجـا عـن هـذه الاربـعة فهو من اهل البدعة والنار. (جواهر الفقه : ١/ ١٣٢)

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: امـا فی زماننا فقال ائمتنا: لايجوز تقليد غير الائمة الاربعة الشافعي ومالک وابی حنيفة واحمد ابن حنبل .

(عقد الجيد: بحوالة جواهر الفقه : ج/ ١، ص/ ١٣٣)

علامہ جمال الدین اسنویؒ فرماتے ہیں: وذكـر ابن الصلاح ماحاصله انه يتعين تقليد الائمة الاربعة دون غيرهم لان مذاهب الاربعة قد انتشرت وعلم تقييد مـطـلـقهـا وتـخصيص عامها ونشرت فروعها بخلاف مذهب غيرهم. (نهاية

السول فی شرح منهاج الوصول : ج/۳،ص/۳۵۲)

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:وانہ انعقد الاجماع علی تقلید کل واحد من المذاهب الاربعة، وان اجماع الفقهاء الاربعة حجة لایخرج الحق عنهم وانه ینبغی الاحتراز من الخلاف. (المسودة : ۴۸۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید میں فرماتے ہیں:

''یادرکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اوران چاروں کو بالکل نظرانداز کردینے میں بڑا مفسدہ ہے،اس کے کئی وجوہات واسباب ہیں:ایک یہ کہ امت کا اس پراتفاق رہاہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پراعتماد کرے ،تابعین نے اس بارے میں صحابہ پراعتماد کیااور تبع تابعین نے تابعین پر، وعلی ہذا القیاس ہردور کے علماء نے اپنے پیشرؤوں پراعتماد کیا،عقل سے بھی اس کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے ،اس لئے کہ نقل واستنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں، تا کہ ان کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہوکرخرق اجماع نہ ہوجائے،اس لیےان اقوال کے جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے،دوسرے علوم وفنون ، ہنروں اورپیشوں کا بھی یہی حال ہے ،صرف ونحو،طب ،شاعری،لوہاری، نجاری،رنگریزی سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں ،جب ان کے استادوں اوران کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے،اس کے بغیر مہارت حاصل ہوجائے ایسا بہت کم پیش آتا ہے،اگرچہ عقلا ایسا ممکن ہے لیکن واقعتاً ممکن نہیں۔

''جب یہ بات متعین ہوگئی کہ سلف کے اقوال وتحقیقات پراعتماد ضروری ہے،تو پھر یہ

ضروری ہوگیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جارہا ہے وہ سند صحیح سے مروی، مشہور کتابوں میں مدون ہوں اوران پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح ومرجوح اور عام وخاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں یہ پتہ چل سکے کہ اس میں قید کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جاچکی ہو،اوراحکام کے علل پر روشنی ڈالی جاچکی ہو،نہیں تو ایسے مذاہب واجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا ،ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے، جن میں یہ صفات پائی جاتی ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہو،سوائے ان مذاہب اربعہ کے۔'' (اجتہاد کی حاجت وضرورت :ص ر ۱۷،۱۸)

دوسرے مسلک پر عمل وفتویٰ :- اس سلسلہ میں حضرات اصولیین نے مختلف اقوال واحوال نقل کئے ہیں۔

علامہ عبدالعلی انصاری فرماتے ہیں: **ولو التزم مذهبا معينا (اى عهد من عند نفسه انه على هذا المذهب (كمذهب ابى حنيفة وغيره)فهل يلزمه الاستمرارعليه ام لا،(فقيل نعم)يجب الاستمرار ويحرم الانتقال من مذهب الى اخر(لان الالتزام لا يخلوعن اعتقاد غلبة الحقية فيه)فلا يترك (وقيل لا)يجب الاستمرار ويصح الانتقال وهذا هو الحق الذى ينبغى ان يؤمن ويعتقد به، لكن ينبغى ان لا يكون الانتقال للتلهى فان التلهى حرام قطعا فى المتمذهب كان اوفى غيره.(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت : ص/٤٠٦)**

ابن امیر الحاج نے صلاح الدین علائی سے نقل کیا ہے: **والذى خرج به الفقهاء فى مشهور كتبهم جواز الانتقال فى آحاد المسائل والعمل فيها بخلاف مذهب امامه الذى يقلد مذهبه اذا لم يكن ذلك على وجه التتبع**

للرخص.(التقرير والتحبير: ج/٣،ص/ ٣٥١، وكذا فی تيسير التحرير لابن امير بادشاه : ج/٤،ص/٢٥٣)

علامہ آمدی نے اس تفصیل کے ساتھ اجازت دی کہ ایک فقیہ کی جس رائے پر ایک دفعہ عمل کر چکا ہو اس مسئلہ میں دوسرے فقیہ کی طرف عدول نہ کرے:والمختار انما هو التفصيل وهو ان كل مسئلة من مذهب الاول اتصل عمله بها فليس له تقليداً لغير فيها، وما لم يتصل عمله بها فلا مانع من اتباع غيره فيها. (الاحكام : ج/٤،ص/٣١٩)

ابن نجیم مصریؒ کا بھی اسکے جواز کی طرف رجحان ہے۔(بحر الرائق:٦/ ٢٦٨)

جمع الجوامع میں ہے : انه يجب التزام مذهب معين يعتقده ارجح اومساويا ثم ينبغي السعي فی اعتقاده ارجح .. اسکے حاشیہ میں ہے:(ثم فی خروجه عنه) اقوال؛ احدها: لا يجوز لانه التزمه وان لم يجب التزامه، ثانيها: يجوز،والالتزام مالا يلزم غير ملزم، ثالثها: لا يجوز فی بعض المسائل.

الاصح انه يمتنع تتبع الرخص فی المذهب بان ياخذ من كل منها ماهو الاهون فيما يقع من المسائل.

(حاشيه العطار علی جمع الجوامع : ج/٢،ص/٤٤٠)

قاضی شوکانیؒ التزام مذہب معین کے بعد عامی کے لئے مذہب غیر پر عمل کرنے کے سلسلہ میں چند مذاہب ذکر کرتے ہیں:

وهو انه هل يجوز له ان يخالف امامه فی بعض المسائل وياخذ بقول غيره؟ فقيل لا يجوز وقيل يجوز .

امام الحرمین فرماتے ہیں: اگر عمل بمذہب الغیر کسی حادثہ کے پیش آنے کے بعد ہوا ہے جس میں اس امام کی تقلید کر چکا ہے تب تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔

ان کان بعد حدوث الحادثة التی قلد فیها لم یجز له الانتقال والاجاز واختار هذا امام الحرمین،وقیل ان کان المذهب الذی اراد الانتقال الیه ماینقض الحکم لم یجز له الانتقال والاجاز واختاره ابن عبد السلام، وقیل ان کان قدعمله بالمسئلة لم یجز له الانتقال والا جاز، وقیل یجوزبشرط ان ینشرح له صدره وان لایکون قاصد للتلاعب وان لا یکون ناقضا لما قدحکم علیه به واختاره ابن دقیق العید. (ارشاد الفحول:۲۴۰/۳)

امام زرکشی کہتے ہیں:

''اگر کوئی شخص کسی معین مذہب کو اختیار کر لے، مثلاً: امام مالکؒ یا امام شافعیؒ کے مذہب کو اور اجمالی طور پر اس کے راجح ہونے کا اعتقاد رکھے تو کیا اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بعض مسائل میں اپنے امام کی خلاف ورزی کرے، اور کسی دوسرے مجتہد کے قول کو اختیار کرے؟

اس سلسلے میں چند اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول: یہ ہے کہ ایسا کرنا ممنوع ہے، حلبی نے ''اعجاز'' میں اسی قول کو اختیار کیا ہے، کیوں کہ ہر امام کا قول ایک ایک واقعہ میں مستقل ہے؛ لہٰذا دوسرے قول کی طرف منتقل ہونے کی بجز تشہی کے کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ اس میں سہولت کی اتباع اور دین کے ساتھ کھیل ہے۔

(۲) دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور رافعی میں اسی کو اصح کہا گیا ہے؛ کیوں کہ صحابہ کرامؓ نے عوام کے لئے کسی معین مجتہد کی تقلید کو لازم قرار نہیں دیا ہے کیوں کہ تقلید کا جو سبب ہے

،یعنی امام مقلد کا اجتہاد کی اہلیت سے متصف اور قابل تقلید ہونا، یہ اس کے اقوال کے اعتبار سے عام ہے، اور مقلد کی عدم اہلیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس جواب کو عام رکھا جائے (کہ اہل علم میں سے جس سے چاہے رجوع کرے اور فتویٰ پوچھے) اور کسی ایک مجتہد کے اجتہاد کی پیروی کو واجب قرار دینا اسلاف کے طریقہ کے خلاف ہے۔

(البحر المحیط للزرکشی : ۶ / ۳۲۰)

امام زرکشیؒ اس قول کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ دوسرے مجتہد کے مسلک کی طرف منتقل ہونا دو صورتوں میں راجح ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ دوسرے مذہب میں شدت ہو، اس صورت میں اس مسلک کی طرف منتقل ہونا احتیاط اور ورع وتقویٰ پر مبنی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے مذہب کے مخالف قول کی دلیل صحیح ہے، اور اپنے امام کے مذہب میں اس سے قوی دلیل یا اس کے مخالف راجح دلیل نہ پائے، ان دونوں صورتوں میں دوسرے امام کی تقلید سے روکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

’’واضح رہے کہ جہاں ہم نے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کو جائز کہا ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اسے اس قول کے راجح ہونے کا اعتقاد ہو جس کی وہ اس مسئلہ میں تقلید کر رہا ہے اور اس بنیاد پر عوام کے لئے مطلقاً اجازت نہ ہوگی، کیوں کہ ایک عام آدمی اسے معلوم نہیں کرسکتا ہے‘‘۔

(۳) تیسرا قول: یہ ہے کہ وہ شخص اس عام آدمی کی طرح ہے جس نے کسی متعین مذہب کا التزام نہ کیا ہو، تو جن مسائل میں وہ اپنے امام کے مذہب پر عمل کر چکا ہو، ان میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جائز نہیں، اور جن مسائل میں اپنے امام کے قول پر عمل نہ کیا ہو، ان میں دوسرے

امام کی تقلید کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(۴) چوتھا قول: یہ ہے کہ واقعات کے پیش آنے سے پہلے کسی متعین مذہب کی پیروی ضروری نہیں ہے، اور اگر کوئی واقعہ پیش آیا اور اس میں کسی امام کی اتباع کی تو اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اس کے حق میں پیش آنے والے دیگر واقعات میں بھی اسی امام کی اتباع کرے، اسی رائے کو امام الحرمین نے اختیار کیا ہے۔

(۵) پانچواں قول: یہ ہے کہ اگر اس شخص کو غالب گمان ہو کہ بعض مسائل میں اس کے امام کے قول سے دوسرے امام کا قول زیادہ قوی ہے تو اس کے لئے ان مسائل میں دوسرے امام کی تقلید کرنا جائز ہے، اس کے قائل امام قدوری حنفی ہیں۔

(۶) چھٹا قول: اسے ابن عبدالسلام نے ''القواعد'' میں اختیار کیا ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ جس مذہب سے منتقل ہونا چاہتا ہے اس سے منتقل ہونے کی وجہ سے پہلے مذہب کا حکم ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اگر پہلی صورت ہے تو اس کے لئے ایسے حکم کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں جس سے حکم اوّل کا نقص لازم آئے کیوں کہ ایسا کرنا باطل ہے، اگر دونوں مذہب کے مآخذ قریب قریب ہوں تو تقلید اور انتقال دونوں جائز ہے کیوں کہ مذاہب اربعہ کے ظہور سے قبل صحابہ کے دور میں لوگ ایسا ہی کرتے تھے، اور یہ ثابت نہیں کہ اس پر کسی ایسے شخص نے نکیر کی ہے جس کا انکار شرعاً معتبر ہے۔

(۷) ساتواں قول: جسے ابن دقیق العید نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ چند شرائط کے ساتھ ان کی اجازت ہے۔ پہلی شرط: یہ ہے کہ دوسرے قول پر عمل کرنے کے نتیجہ میں کوئی ایسی صورت لازم نہ آئے کہ جس کے باطل ہونے پر دونوں مجتہد کا اجماع ہو۔ دوسری شرط: یہ ہے کہ جس مسئلہ میں اپنے امام کی تقلید کی ہے اس کی نوعیت ایسی نہ ہو کہ دوسرے قول پر عمل کرنے سے

اس کا نقض لازم آئے، تیسری شرط یہ ہے کہ دوسرے کی تقلید پر اسے شرح صدر ہو۔

(البحر المحیط ٦/ ٣٢١،مباحث فقهيه : ١٨٩).

امام نوویؒ الکیا ہراسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر کسی بھی مذہب کا اتباع جائز ہو جائے تو یہ رخصتِ مذاہب کا دروازہ کھول دے گا اور خواہشات کی پیروی ہوگی پھر آدمی کو حلال حرام اور وجوب وجواز میں اختیار ہوگا جو بالآخر شریعت کی تکلیف (مکلّف بنانے والی) کو ہی ختم کر دیگا۔

لو جاز اتباع ای مذهب شاء لافضى الى ان يلتقط رخص المذاهب متبعا هواه ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلك يؤدى الى الخلال ربقة التكليف. (شرح مهذب مقدمه :ص/٥٥)

سلم الوصول شرح نهاية السول میں فتح القدیر کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ انتقال مذہب کے مانعین نے اس لئے منع فرمایا تا کہ لوگ رخص مذاہب کی پیروی نہ کرے کسی شرعی مانع کی وجہ سے نہیں روکا کیونکہ شریعت میں اخف پر عمل کرنے سے نہیں روکا گیا ہے بلکہ آپ ﷺ تو اپنی امت کیلئے آسان اور اخف معاملات ہی پسند فرماتے تھے؛ لیکن ضروری ہے کہ یہ اتباع رخصت شریعت کو کھلونا بنانے کے طریقہ پر نہ ہو جیسے کسی حنفی کا شوافع کی رائے پر شطرنج کھیلنا (لہولعب کے قصد سے) اور کسی شافعی کا مثلث شراب پینا احناف کے قول کے مطابق (اس سے کھیلتے ہوئے) تو یہ سب افعال حرام ہوں گے کیونکہ نصوص قطعیات کو کھلونا بنانا حرام ہے۔

قال فى فتح القدير : لعل المانعين للانتقال انما منعوا لئلا يتبع احد رخص المذاهب ولا يمنع منه مانع شرعى اذ للانسان ان يسلك الاخف عليه إذا كان له اليه سبيل وكان النبى ﷺ يحب ماخف على امته لكن لا بد

ان لایکون اتباع الرخص للتلهی کعمل حنفی بالشطرنج علی رأی الشافعی قصدا الی اللهو، وکشافعی یشرب المتلف للتلهی به ومثل هذا حرام بالاجماع لان التلهی حرام بالنصوص القاطعة .

(سلم الوصول: ص/ ۲۱۹)

نهایة السول شرح منهاج الوصول میں علامہ قرافی کے حوالے سے مذکور ہے کہ تقلید مذہب غیر کے جواز کی شرط یہ ہے کہ وہ امر دونوں اماموں کے نزدیک باطل نہ ہو فشرطه ان لایکون موقعا فی امریجتمع علی ابطاله الامام الذی کان علی مذهبه والامام الذی انتقل الیه فمن قلد مالکا مثلا فی عدم النقض باللمس الخالی عن الشهوة ،فصلی فلا بد ان یدلک بدنه ویمسح جمیع رأسه والافتکون صلاته باطلة عند الامامین .(نهایة السول: ج/۳،ص/ ۳۵۰)

حضرات اصولیین اور فقہاء کرام کے مختلف اقوال نقل کرنے سے یہ بات معلوم ہوگی کہ دوسرے مسلک پر فتوی اور عمل کی گنجائش ہے۔

(الف) لیکن یہ اجازت عام حالات میں نہیں بلکہ ضرورت اور دیگر خاص حالات میں ہے۔

حضرت قاضی مجاہد الاسلام فرماتے ہیں:

عام فقہاء کے درمیان جو مذہب مشہور ہے وہ تتبع رخص کا جائز نہ ہونا ہے حتی کہ بعض حضرات نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے،ان کی دلیل یہ ہے کہ تتبع رخص کا محرک تشہی اور اتباع ہوی ہے، جسے کتاب وسنت نے صراحۃً حرام قرار دیا ہے،اور فقہاء کا بھی اس کی حرمت پر اتفاق ہے،اس کے علاوہ اگر ہم تتبع رخص کو مباح قرار دیں تو تکلیف ہی باقی نہیں رہے گی؛ حالانکہ

شریعت نے انسان کوایسے احکام کا مکلّف بنایا ہے جواس کے نفس پر گراں ہوں۔

امام شاطبیؒ الموافقات فی اصول الشریعة میں لکھتے ہیں:

"تتبع رخص خواہشات نفسانی کی طرف مائل ہونا ہے، اور شریعت اتباع ہوی سے روکتی ہے لہٰذا یہ اس متفق علیہ اصول کے خلاف ہے"۔

تتبع رخص کو مطلقا مباح قرار دینے کا دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ دین لوگوں کے ہاتھوں کھلونا ہوجائے گا، اور اگر یہ مرض اسلامی معاشرے میں عام ہوجائے تو فسق وفجور اور لاقانونیت عام ہوجائے گی اور شریعت کے مصالح بلکہ اس کے بنیادی مقاصد معطل ہوکر رہ جائیں گے۔

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ فریقین کے تفصیلی دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس مسئلہ میں جس قول کی طرف میرا رجحان ہے اس میں قدرے تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ تتبع رخص عام حالات میں تشہی ،لہوولعب اور خواہشات کی پیروی کی بنیاد پرنا جائز ہے، ہاں! اگر کسی خاص مسئلہ میں عذر یا مرض کی ضرورت کی بنیاد پر ہوتو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، وہ تتبع رخص جس کے ممنوع ہونے پر بعض حضرات نے اجماع کا دعوی کیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان ہر مسلک میں سے اس قول کو اختیار کرے جو اس کے لئے آسان ہواور یہ کسی واقعی عذر اور ضرورت کے پیش نظر نہ ہو بلکہ محض خواہش نفس کی پیروی میں ہو؛ کیوں کہ اگر اس کا دروازہ کھول دیا جائے تو یہ شریعت کے احکام سے آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے گا، اور دین کھلونا اور مذاق بن کررہ جائے گا، تتبع رخص کی اس قسم میں یہ صورت داخل ہے کہ انسان تشہی اور لہوولعب کی غرض سے مختلف مسائل میں مختلف فقہاء کے اقوال اختیار کرے، مثلاً: ایک شخص نے

کسی عورت کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا، لیکن اسے اندیشہ ہوا کہ اس جرم کی بنیاد پر اس پر حدزنا قائم کی جائے گی، اس لئے اس نے ولی اور گواہ کے بغیر اس عورت سے شادی کرلی اور اس نے بالغہ عورت کے نکاح کی صحت کے سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار کرلیا جو بالغہ کے نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری قرار نہیں دیتے، اور گواہ کے بغیر نکاح صحیح ہونے کے سلسلہ میں امام مالکؒ کا قول اختیار کرلیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تتبع رخص کی یہ صورت شریعت کے ساتھ کھیل اور مذاق ہے، جسے کوئی فقیہ تو کیا کوئی صاحب عقل انسان بھی گوارہ نہیں کرسکتا، اور فقہاء عقل ودانش کے لحاظ سے تمام لوگوں سے فائق اور شریعت کے مقاصد سے سب سے زیادہ واقف ہیں، وہ بھلا اس کی اجازت کیوں کردے سکتے ہیں؟! اور جہاں تک خاص حالات میں رخص مذاہب سے استفادہ کی بات ہے مثلاً: زوج مفقود الخبر کے مسئلہ میں، اور بعض دوسرے مسائل میں فقہاء حنفیہ نے امام مالکؒ کے قول کو اختیار کیا ہے، اسی طرح فقہاء شافعیہ نے فقہ مالکی اور فقہ حنفی کے بعض اقوال کو اختیار کیا ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اور یہ بات کسی طرح مناسب نہ ہوگی کہ ہر مکلّف کو اس کی رخصت دی جائے کہ وہ اپنی زندگی کے مسائل میں اپنی خواہش کے مطابق جس قول کو چاہے اختیار کرے، یہاں تک کہ وہ ایک دن کسی مسئلہ میں امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرے، اگر اس سے اس کی غرض پوری ہوتی نظر آئے، اور پھر کل بعینہٖ اسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول اختیار کرلے، کیوں کہ دوسرے دن امام شافعیؒ کے قول پر عمل کرنے سے اس کا مقصد پورا نہیں ہورہا ہے، اور یہ بات مخفی نہیں کہ اتباع شریعت میں تکلیف ہوتی ہے اور مشقتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے، لہٰذا شریعت کا کوئی حکم مشقت سے بالکلیہ خالی نہیں ہوسکتا بلکہ ہر حکم شرعی میں کچھ نہ کچھ مشقت ہے، ہاں! یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا، پس حرج، مشقت اور تنگی کا

شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں ائمہ کے اقوال میں آسان قول کو اختیار کرنے کے سلسلے میں کوئی ضابطہ مقرر کر دیا جائے، تا کہ تباہ کن اباحت پسندی اور دین سے متنفر کرنے والی تنگی دونوں کا سد باب ہو سکے، اس سلسلہ میں درج ذیل اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) ''**الامر إذا ضاق اتسع**'' مشہور فقہی قاعدہ ہے، اس کی رو سے جب کسی مسئلہ میں تنگی پیدا ہوگی تو شریعت اس تنگی کو دور کر کے وسعت پیدا کرے گی، تو جب کسی مبتلی بہ کو کسی امر میں ایسی تنگی، حرج اور دشواری پیش آئے، جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا تو ایسی صورت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے امام کے قول کو اختیار کرے جس میں دفع حرج ومشقت ہو۔

(۲) لیکن اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ ان ارباب علم وذکر اور اصحاب فتوی سے رجوع کرے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں، اور ورع وتقویٰ کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے دین کی اساس اور بنیاد سمجھے جاتے ہوں، تا کہ وہ خواہش نفس اور شیطان کے مکر وفریب کا شکار نہ ہو، کیوں کہ ایک عامی انسان بسا اوقات ضرورت اور اتباع ہوی کے درمیان فرق نہیں کر سکتا ہے۔

(۳) اس پر لازم ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب سے تجاوز نہ کرے جو صدیوں سے مدون اور منقح صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں اور جن پر زمانہ قدیم سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے! کیوں کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے مذاہب جو فقہی کتابوں کے ذخیروں میں منقول ومذکور ہیں وہ عام طور پر ثقہ راویوں کی روایت سے مروی نہیں ہیں اور ثقہ علماء فقہاء کی زبانی

ہر دور میں تواتر کے ساتھ نقل نہیں ہوئے ہیں، اسی طرح وہ شرائط اور قیود بھی ہمیں معلوم نہیں ہیں جو ان کے نزدیک معتبر رہی ہوں گی۔

(۴) لیکن اگر مسئلہ عموم بلوی کی وجہ سے اجتماعی ہوگیا ہو یا ایسا مسئلہ جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی یا نئے عرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، خاص طور پر لوگوں کے معاملات، مثلاً: تجارت، صنعت وحرفت اور تجار، صنعت کار اور اہل پیشہ کی عادات سے متعلق ہو، خصوصاً بین الاقوامی معاملات میں، تو ایسی صورت میں علماء راسخین اور اصحاب تقویٰ فقہائے کرام پر لازم ہے کہ وہ ان مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل شریعت کے مقاصد اور قواعد کلیہ کی روشنی میں نئے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ تلاش کریں اور ان کے لئے ائمہ ہدی میں سے کسی ایک کے قول سے دوسرے کے قول کی طرف درج ذیل شرطوں کے ساتھ عدول کرنا جائز ہے:

(۱) دوسرا قول شاذ نہ ہو۔

(۲) نص سے ٹکراتا نہ ہو۔ (مباحث فقہیہ: ۱۸۲)

ضرورت کی وجہ سے افتاء بمذهب الغير:

ضرورت کی لغوی تعریف: الضر ضد النفع. الاضطرار الاحتياج الى الشيئ، رجل ذا ضرورة اى ذو حاجة. (لسان العرب: ۴/۴۸۳، تاج العروس: ص/۳۴۹)

علامہ جرجانیؒ فرماتے ہیں: الضرورة مشتقة من الضرر وهو النازل مما لامدفع له. (التعريفات: ص/۱۳۸)

التعريفات الفقهية میں ہے: الضرورة يطلق على ما اكره عليه وعلى ما تدعو الحاجة اليه دعاء قويا كالأكل عند المخمصة. (ص/۳۵۸)

اصطلاحی تعریف: علامہ حمویؒ محقق ابن ہمام کے حوالے سے فرماتے ہیں: **بلوغه حدا ان لم يتناول الحرام هلک اوقارب وهذا يبيح تناول الحرام .**

ضرورت ایسی صورت کا نام ہے جس میں ہلاک ہوجانے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جانے کا یقینی خطرہ ہو اگر ممنوع چیز استعمال نہ کرے، اس صورت میں حرام چیز کا استعمال (چند شرائط کے ساتھ) جائز ہوجاتا ہے۔

جلال الدین سیوطیؒ نے بھی **الاشباه** میں اسی طرح تعریف ذکر کی ہے۔

البتہ مذہب غیر پر عمل اور افتاء کے جواز کیلئے اصطلاحی ضرورت مراد نہیں ہے، جو **اکل میته** اور شرب خمر کیلئے درکار ہے بلکہ معاملات اور اقوال صغیفہ کے اختیار کرنے میں جس طرح حاجت عامہ کو ضرورت کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے اسی طرح اس جگہ بھی اسکا وسیع مفہوم مراد لیتے ہوئے حاجت عامہ کو اسکے قائم مقام کردیا جائے گا۔

حاجت کے لغوی معنی:

الحوج الطلب . الحاجة القصور عن المبلغ المطلوب .

(تاج العروس: ج/۲، ص/۲۵)

التعريفات الفقهيه میں ہے: **الحاجة مايفتقر الانسان اليه مع انه يبقى بدونه. (ص/۲۵۷)**

اصطلاحی تعریف: **الحاجة كالجائع الذى لو لم يجد مايأكله لم يهلک غير انه فى جهد ومشقة وهذا لايبيح الحرام ويبيح الفطر والصوم .**

اس میں ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہو مگر مشقت، پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہونے کا گمان ہو۔ اس سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہوتی البتہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے۔

ابن نجیم فرماتے ہیں:

القاعدة السادسة من الخامسة : الحاجة تنزل منزل الضرورة، عامة كانت أو خاصة، ولهذا جوّزت الإستصناع للحاجة ودخول الحمام مع جهالة مكنه فيها وما يستعملها من ماء ها،ومنها الإفتاء بصحة بيع الوفا حين كثرالدين على اهل بخارىٰ. (الأشباه :ص/ ۱۴۹)

کتب احناف میں بہت سی مثالیں موجود ہیں جس میں ضرورت کے سبب دیگر ائمہ کے مذہب پر عمل کیا گیا ہے جیسے کہ محقق ابن نجیم نے **استصناع، دخول حمام اور بیع الوفا** کو ذکر کیا، اسی طرح امام ابو یوسفؒ کا قصہ مشہور ہے کہ آپ نے حمام سے غسل کر کے جمعہ کی نماز ادا کی پھر حمام کے کنویں میں مردہ چوہا کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے بھائی اہل مدینہ کے قول پر عمل کرتے ہیں، (اگر چہ فتاوی قنیہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہیکہ آپ نے غسل کر کے نماز کا اعادہ فرمایا، اور یہ کہ آپ تو مجتہد فی المذہب تھے۔)

على ماقال فى البزازية انه روى عن ابى يوسف انه صلى الجمعة مغتسلا من الحمام ثم اخبر بفأرة ميتة فى بئر الحمام؛ فقال: ناخذ بقول اخواننا اهل المدينة اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا.(شامى : ۱/ ۵۶)

لیکن علامہ عبدالغنی النابلسیؒ امام ابو یوسفؒ کے واقعہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ويمكن الجواب عن ابى يوسف انه اجتهد فى دليل الشافعىؒ واخذبه، والمجتهد المقيد فى المذاهب له ان يجتهد فى اصول غير امامه لانه فى معنى المقلد الذى لا يلزمه التزام مذهب معين كما سبق .

(خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق :ص/ ۱۶)

جمع بین صلاتین کا مسئلہ: وكثير ما ابتلى المسافر بمثله لاسيما الحاج ولا بأس بالتقليد كما في البحر لكن بشرط ان يلتزم جميع مايوجبه ذلک الامام لان الحكم الملفق باطل بالاجماع .(طحطاوی على مراقی الفلاح:١٠٣)

شامی قبيل باب الاذان- ولا باس بالتقليد عند الضرورة لكن بشرط ان يلتزم جميع ما يوجبه ذلک الامام (شامی : ج/ ١ ،ص/ ٢٥٦)

شامی: ج/۴،ص/۴۲۰ پر ہے:عن القنية؛قيل لمن انتقل الى مذهب الشافعي ليزوج له اخاف ان يكون مسلوب الايمان لاهانته الدين بجيفة قذرة.

علامہ شامی نے درمختار کی عبارت إن الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل کے تحت لکھا ہے ؛قلت: لكن هذا في غير موضع الضرورة.(شامی:۱/۷۷) حضرت تھانویؒ علامہ شامی کے رسالہ شفاء العليل کا حوالہ نقل کر کے فرماتے ہیں(۱/۱۶۳):اسمیں من غير حاجة ضرورية تک سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر عمل جائز ہے۔اس ضرورة میں قید نہیں کہ اسکا تحقق کب ہوا ہے بلکہ علی الاطلاق ضرورت کو عام رکھا ہے، بلکہ:ص/۴۵ پر فهذه كلها قد تغيرت احكامها لتغير الزمان اما للضرورة واما للعرف واما لقرائن الاحوال الخ.. کے بعد جو تحریر فرمایا ہے الخ اس میں بھی تصریح ہے کہ اس زمانہ میں بھی تغیر زمانہ ضرورت جدیدہ کی وجہ سے ہو جائے تو اہل فتویٰ کے لئے مذہب غیر پر فتوی دینا جائز ہے۔

حضرت حکیم الامتؒ علامہ شامی کے ایک جملہ سے فرمانا چاہتے ہیں کہ بعض حضرات نے افتاء بمذہب الغیر کو زمانہ اجتہاد کے ساتھ (جو چوتھی صدی پر ختم ہو چکا) مخصوص فرمایا ہے، پس چوتھی صدی کے بعد خواہ کیسی ہی ضرورت شدیدہ اور اضطرار پیش آئے مگر جس مسئلہ میں زمانۂ

اجتہاد کے مشائخ نے مذہب غیر کو اختیار نہیں فرمایا اس مسئلہ میں بعد کے علماء کو مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اسکے مختلف جوابات دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خود علامہ شامیؒ ہر زمانہ میں اسکے جواز کی تصریح فرما چکے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کو لیکر اس چیز کے جواز پر فتویٰ ہوسکتا ہے جسکا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو۔ غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذہب الغیر پر قیاس کر کے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو دوسرے مذہب میں منصوص نہ ہو اور پھر ضرورت کی وجہ سے اس اپنے مستخرجہ جواز پر فتویٰ دے جیسے کہ بعض لوگوں نے علامہ شامی کے زمانہ میں ضرورۃ کا دعویٰ کر کے تلاوت قرآن علی القبر وغیرہ کی اجرت کو جائز رکھا تھا۔

حاصل یہ کہ افتاء بمذہب الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے، بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کیلئے بدون کوئی تکلیف نا قابل برداشت پیش آجاوے۔ (الحیلۃ الناجزۃ: ص/۵۰)

ضرورت کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے کی ہے یعنی تکلیف نا قابل برداشت ہو (الحیلۃ: ص/۵۱ حاشیہ پر) علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: **ولهذا قال الزاهدی: وقد كان بعض اصحابنا يفتون بقول مالک فی هذه المسئلة للضرورة** . اس میں علامہ شامیؒ نے تصریح فرمادی کہ قضا بمذہب الغیر کے بارے میں جو **لا يصح** کا حکم ہے وہ عدم ضرورت کے ساتھ خاص ہے، اور صاحب نہر کے قول **الاداعی** اور **ماامکن الترافع الخ** سے بھی صاف واضح ہے کہ اگر ضرورت داعی ہو اور تدافع الی المالکی ممکن نہ ہو تو افتاء بمذہب الغیر پر انکو کوئی اشکال نہیں۔

حضرت تھانویؒ ص/۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں: رہا یہ کہ فقہ حنفی پر کسی کو عدم کفایت کا سوال ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود فقہ حنفی میں بھی خاص شرائط کے ساتھ کہ ان کی رعایت اس رسالہ میں کر لی گئی ہے اس ضرورتِ شدیدہ میں دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنے کی اجازت دی گئی

ہے۔جیسا کہ علامہ شامی کے رسالہ عقود رسم المفتی :ص/۵۰/ پر بحث مفید کے بعد مرقوم ہے:
وبه علم ان المضطر له العمل بذلک لنفسه کما قلنا وان المفتی له الافتاء به للمضطر فما مرمن انه لیس له العمل بالضعیف ولا الافتاء به محمول علی غیر موضع الضرورة کما علمته من مجموع ماقررناه .

نیز شامی نے درمختار کے قول **ان الحکم والفتیا بالقول المرجوع جهل** کے تحت میں لکھا ہے: **قلت: لکن هذا فی غیر موضع الضرورة الخ..** :(ج/۱،ص/۷۷)

چنانچہ شرط اولین تو یہی ہے کہ مذہبِ غیر پر عمل کرنا ضرورتِ شدیدہ کی بناء پر ہوا تباع ہوا کے لئے نہ ہواوراس شرط پر تمام امت کا اجماع اور اتفاق علامہ ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے :**حیث قال فی من نکح عند شهود فسقه ثم طلقها ثلاثا فاراد التخلص من الحرمة المغلظة بان النکاح کان فاسدا فی الاصل علی مذهب الشافعیؒ فلم یقع الطلاق مانصه وهذا القول یخالف اجماع المسلمین فانهم متفقون علی ان من اعتقد حل الشیئ کان علیه ان یعتقد ذلک سواء وافق غرضه اوخالف ومن اعتقد تحریمه کان علیه ان یعتقد ذلک فی الحالین وهولاء المطلقون لا یفکرون فی فساد النکاح بفسق الولی الا عند الطلاق الثلاث لا عند الاستمتاع والتوارث یکونون فی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهواء ومثل هذا لا یجوز باتفاق الامة (ثم قال بعد ثلاثة اسطر)ونظیر هذا ان اعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار اذا کان طالبا لها وعدم ثبوتها اذا کان مشتریافان هذا لایجوز بالاجماع وکذا من بنی**

صحة ولاية الفاسق فی حال نكاحه وبنی علی فساد ولايته حال طلاقه لم يجز ذلک باجماع المسلمين ولو قال المستفتی المعين انا لم اكن اعرف ذلک وانا اليوم التزم ذلک لم يكن من ذلک لان ذلک يفتح باب التلاعب بالدين ويفتح الذريعة الی ان يكون التحليل والتحريم بحسب الاهواء.(فتاویٰ ابن تيميه ج/ ۲، ص/ ۲۴۰–۲۴۱)

ہم نے اس رسالہ میں اس شرط یعنی اتباع ہواء کی بناء پر صرف ان مواضع میں مذہبِ مالکیہ پر عمل کی اجازت دی ہے جہاں ضرورتِ شدیدہ یقینی طور پر مشاہدہ و متیقن ہوگئی اور جہاں شدتِ ضرورت کا تیقن نہیں ہوا وہاں مذہبِ مالکیہ کی تسہیلات سے کام نہیں لیا۔

اور ایک شرط مذہبِ غیر پر عمل کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع نہ ہو، حتی کہ صاحب درمختار نے اس پر اجماع بایں الفاظ بیان کیا ہے: **ان الحكم الملفق باطل بالاجماع** اور اس شرط کی تفاصیل وقیود میں کلامِ طویل اور اختلاف کثیر ہے جس کا ایک مستقل رسالہ **التحقيق فی التلفيق** میں ضبط کر کے **اعلاء السنن** کی کتاب البیوع کے مقدمہ کا جزو بنا دیا گیا ہے۔

جدید ترتیب میں اب یہ مقدمۂ اعلاء السنن: ج/۲، ص/۱۸۹/ پر **الفائدة التاسعة** کے عنوان سے مذکور ہے۔ اور ہمارے نزدیک ان اقوالِ مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عملِ واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جداگانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے، گو ظاہراً خلاف اجماع لازم آتا ہو مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص ربع رأس سے کم مسح کرے تو حنفیہ کے نزدیک

وضونہیں ہوتا، پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہواور مسح کرے ربع راٴس سے کم کا تو کسی کے نزدیک بھی وضونہیں ہوا۔اور یہ تلفیق خارق اجماع ہے اور اگر کسی نے وضو میں چوتھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر، مگر وضو جدا عمل ہے اور نماز جدا، اس واسطے یہ تلفیق منع نہیں، مگر تاہم احتیاط مدنظر رکھ کر اصل رسالہ ہذا میں تلفیق کی دوسری قسم سے بھی بچاؤ رکھا ہے۔

ص ۴۶/ پر تحریر فرماتے ہیں: اور ضرورتِ شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیدینا بھی جائز ہے، لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں بلکہ بڑے احتیاط کی ضرورت ہے، **وذلک لما صرح به العلامة الشامی فی رسالة شرح المنظومة فی رسم المفتی وقد مر نصه فی تمهید هذه الرسالة.**

اوراس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہوسکتا ہے کہ جب تک محقق ومتدیّن علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے؛ کیوں کہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہویٰ کی بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہواور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں اور نیز یہ بھی ضرور ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاد سے فن حاصل کیا ہواور اہل بصیرت اس کا فقہ میں مہارتِ تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں۔

لما قال الشامی فی عقود رسم المفتی: فان المتقدمین شرطوا فی

المفتی الاجتهاد وهذا مفقود فی زماننا فلا اقل من ان یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها وقیودها التی کثیرا ما یسقطونها ولا یصرحون بها اعتمادا علی فهم المتفقه وکذا لابد من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخریج فی ذلک علی استاذ ماهر الخ..(ص/۴۶)

یعنی متقدمین نے مفتی ہونے کے لئے اجتہاد کی شرط لگائی ہے اور یہ اس زمانہ میں مفقود ہے، پس کم ازکم اس میں یہ شرط تو ضرور رہے گی کہ مسائل سے ان کی شروط و قیود سمیت واقف ہو جن کو فقہاء اکثر چھوڑ دیتے ہیں اور اہل فن کے فہم پر بھروسہ کی وجہ سے بالتصریح بیان نہیں کرتے اور اسی طرح مفتی کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے زمانہ کے عرف اور اہل زمانہ کے احوال سے بخوبی واقف ہو اور کسی ماہر استاد سے فتویٰ دینے کا طریقہ بھی حاصل کیا ہو (الی آخرہ) اور اس زمانۂ پُرفتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا یعنی کسی ایک شخص میں تدین کامل مہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے اس لئے اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ کم ازکم دو چار محقق علمائے دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہبِ غیر پر فتویٰ دیں بدون اس کے اس زمانہ میں اگر اقوالِ ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جاوے تو اس کا لازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے۔

ص/۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: جب یہ سب تفصیل علامہ موصوف خود تحریر فرما رہے ہیں اور باایں ہمہ ان چیزوں کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں جو چوتھی صدی سے بہت پیچھے دوسرے مذہب سے لی گئی ہیں اور خود ان فقہائے کرام کا باوجود مجتہد نہ ہونے اور زمانۂ اجتہاد ختم ہو جانے کے دوسری اشیاء کو ملحق کرنا اس کی بین دلیل ہے کہ علامہ شامیؒ کے کلام کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں ہوسکتا کہ چوتھی صدی کے بعد کسی دوسرے امام کا قول لینے کا اختیار نہیں؛ بلکہ افتاء بمذہب

الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کے لئے بدون کوئی تکلیف نا قابل برداشت پیش آجاوے۔ **کما بیناہ من قبل ایضا ھذا ما سنح بالبال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال .**

ص۷۰/ پر تحریر فرماتے ہیں: اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب از روئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ میں سے بھی بعض متأخرین نے وقت کی نزاکت اور فتووں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ دیدیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ نے درمنتقی سے قہستانی کا (جو چوتھی صدی کے مشائخ حنفیہ میں ہیں) قول نقل کیا ہے: **لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ لا باس بہ علی ما اظن.** (۲/ ۱۵۰) اور ایک عرصہ سے ارباب فتوی اہل ہند و بیرون ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کرلیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہوگیا، لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں! بوقت ضرورتِ شدیدہ کہ خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ سمجھا جاوے اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں اور ایسے ہی مواقع کے لئے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے۔

لما فی الدر المختار من ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وقال الشامی تحتہ: مثالہ متوضئ سال من بدنہ دم ولمس امرأۃ ثم صلی فان صحتہ ھذہ الصلوۃ ملفقۃ من مذہب الشافعیؒ والحنفی والتلفیق باطل فصحتہ منتفیقۃ .

وایضا قال الشامی عن الشرنبلالی تحت قول الدر(وان الرجوع عن

التقليد بعد العمل باطل اتفاقاً)وانه يجوز العمل بما يخالف ماعمله على مذهب مقلدا فيه غير امامه مستجمعا شروطه . لہذا اس مسئلۂ مفقود میں مالکیہ کی تمام شرائط کا معلوم کرنا لازم ہوا اور شامی وغیرہ علمائے احناف نے اس کے متعلق جو مذہب مالکیہ نقل کیا ہے وہ محض اجمال تھا اور مسئلہ کی پوری تنقیح اوراس کے تمام قیود وشرائط علمائے مالکیہ ہی سے معلوم ہو سکتے تھے،اس لئے اس ضرورت کا احساس کر کے مالکی المذہب ارباب الفتوی کی خدمت میں مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفاً ونوراً) مفصل استفتاء بھیجا گیا،وہاں کے متعدد علماء محققین نے نہایت تفصیل وتوضیح کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے،لیکن پھر ان میں کچھ شبہات باقی رہے اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے اس لئے مکرران حضرات کو تکلیف دی گئی ،مکرر جوابات کے بعد بھی کچھ اور سوالات کی ضرورت ہوئی تو سہ بارہ ان کی خدمت میں سوالات بھیج کر جوابات حاصل کئے۔

ص/۲۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں: ایک رسالہ **وفاق المجتھدین** نظر سے گذرا جس میں مفقود کے متعلق ایک سوال کا اجمالی جواب دینے کے بعد مفصل جواب کے لئے مجیب نے آٹھ جز قرار دیئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

اصل مدعا رسالہ ہذا کا یہ ہے کہ علمائے احناف مسئلۂ مفقود میں جو مالکیہ کے مذہب پر فتوے دیتے رہے ہیں یہ درست نہیں چونکہ یہ مدعا تصریحات فقہ کے خلاف ہے اوراس پر جو دلائل قائم کئے گئے ہیں وہ مخدوش ہیں۔اس واسطے مختصر طور پراس رسالہ کا جواب دینا ضروری معلوم ہوا۔

ص/۲۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں: ساتویں جزو کے جواب میں تین امور کی تحقیق ہے (اول) حنفیہ کے نزدیک دوسرے مذہب پر فتوی دینے کے ضوابط وشرائط کیا ہیں؟ (دوم) جن لوگوں

نے دوسرے مذہب پرفتویٰ دینا جائز بتایا ہے یہ قابل اعتماد ہیں یانہیں؟(سوم)مالکیہ کا اصل مذہب کیا ہے؟

امراول میں فقہاء کی چار عباتیں درج ہیں **اول لا یفتی بغیر الراجح فی مذهبه فاذا سئل عن حکمه یجب الابما هو صواب عنده فلایجوز عن یجیب بمذهب الغیر.** (از شامی)**دوم لوقیل لحنفی مامذهب الامام الشافعی فی کذا؟یقول: قال ابو حنیفة کذا.** (از در مختار) **سوم فان القاضی المقلد اذا خالف مشهورمذهبه لا ینفذ حکمه فی الاصح** (از در مختار) **لان المعتمد ان القاضی لا یصح قضائه بغیر مذهبه خصوصًا قضاة زماننا** (از شامی) **چهارم والتقلید وان جاز بشرط فهو للعامل لنفسه لا للمفتی لغیر فلا یفتی بغیر الراجح فی مذهبه.** (از شامی)

ان سے یہ ثابت کیا ہے کہ مذہب غیر پرفتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا جائزنہیں،اسکا جواب یہ ہے کہ عبارت اولیٰ تو عبارت رابعہ کا جزو ہے، پس اس کا جواب عبارت رابعہ کے جواب سے معلوم ہوجائے گا، جوعنقریب آتا ہے،اورعبارت ثانیہ یعنی **لو قیل لحنفی الخ...** ایک قول ضعیف پرمبنی ہے، چنانچہ اس کے متعلق علامہ شامی نے تصریح کی ہے:

هذا مبنی علی قول بعض الاصولین لا یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل ، اورمقدمہ میں ابن حجر سے تصریح نقل کی ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔ **حیث قال: ثم اعلم انه ذکر فی التحریر والشرح ایضا انه یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل وبه قال الحنفیة والمالکیة واکثر الحنابلة والشافعیة وفی روایة عن احمد وطائفة کثیرة من الفقهاء لایجوز ثم قال بعد اسطر :وقد رأیت فی اٰخر**

فتاویٰ ابن حجر الفقهية التصريح ببعض ذلک فانه سئل عن عبارة النسفی المذكورة رأى المذكورة فی المتن عن الاشباه اذا سئلنا ...الخ...

ثم حرر ان قول ائمة الشافعية كذلک؛ ثم قال: ان ذلک مبنی علی الضعيف من انه يجب تقليد الاعلم دون غيره والا صح انه يتخير تقليد ای شاء ولو مفضولاً وان اعتقده كذلک .

پس یہ قول حجت نہیں اور اگر تسلیم کرلیا جاوے تو عبارت ثالثہ ورابعہ کی طرح اس کو بھی عدم ضرورت پر محمول کیا جاوے گا اور عبارت ثالثہ کے جواب میں شامی کی پوری عبارت نقل کردینا ہی کافی ہے لہذا ذیل میں وہ عبارت درج ہے، درمختار میں عبارت ثانیہ مذکورہ بالا کے بعد ہے:

نعم لو قضی مالکی بذلک نفذ كما فی البحر والنهر وقد نظمه شيخنا الرملی الخ... اس پر اول تو شامی نے یہ لکھا (نفذ) لانه مجتهد فيه وهذا كله رد علی ما فی البزازية، قال العلامة: والفتویٰ فی زماننا علی قول مالک وعلی ما فی جامع الفصولين: لو قضی قاض بانقضاء عدتها (ای الممتدة الطهر)بعد مضی تسعة اشهر نفذ لان المعتمد ان القاضی لا يصح قضائه بغير مذهبه خصوصاً قضاة زماننا .

پھر چند سطروں کے بعد فرمایا ہے: قلت: لكن هذا ظاهر اذا امكن قضاء مالكی به او تحكيمه اما فی بلاد لا يوجد فيها مالكی يحكم به فالضرورة متحققة وكانّ هذا وجه ما مر من البزازية وجامع الفصولين فلايرد قوله فی النهر انه لاداعی الی الافتاء بقول نعتقد انه خطاء يحتمل الصواب مع امكان الترافع

الی مالکی یحکم به تأمل؛ ولهذا قال الزاهدی: وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالک فی هذه المسئلة للضرورة ثم رأیت مابحثنة ذکره محشی مسکین عن السیّدی الحموی الخ...

اس میں علامہ شامی نے خود تصریح فرمادی کہ قضا بمذہب الغیر کے بارہ میں جو لا یصح کا حکم ہے وہ عام ضرورت کے ساتھ خاص ہے اور صاحب نہر کے قول **لا داعی اور مع امکان التدفع الخ..** سے بھی صاف واضح ہے کہ اگر ضرورت داعی ہو اور **ترافع الی المالکی** ممکن نہ ہو تو افتاء بمذہب الغیر پر ان کو کوئی اشکال نہیں۔

اور عبارت رابعہ کا جواب اسی جواب سے معلوم ہو گیا کیوں کہ فتوی اور قضا اس باب میں ایک ہی حکم رکھتے ہیں، درمختار۔ رسم المفتی میں ہے "**وحاصل ماذکره العلامة قاسم فی تصحیحه ان لافرق بین المفتی والقاضی اھ قلت: ای فی اتباع ما رجحوه کماصرح به الشامی.**"

علاوہ ازیں عبارت مذکورہ بالا میں فتویٰ اور قضا دونوں کی اجازت مصرح ہے مثلاً بزازیہ کی عبارت میں فتوی کی تصریح اور جامع الفصولین کی عبارت میں قضا کی تصریح ہے۔

امر دوم کی جو تحقیق لکھی ہے کہ افتاء بمذہب الغیر کی ابتداء غیر معتمد مشائخ سے ہوئی ہے اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ جب معتمد مشائخ نے اس کو قبول کر لیا تو وہ قول معتمد ہو گیا **کما لا یخفی**، دوسرا جواب یہ ہے کہ زاہدی وغیرہ سے اصل مسئلہ کی ابتدا نہیں ہوئی، ان سے ابتدا صرف اس کی ہوئی ہے کہ خاص ان جزئیات میں افتاء بمذہب الغیر کو نقل کیا ہے ورنہ اصل مسئلہ افتاء بمذہب الغیر کا ان کی نقل پر موقوف نہیں؛ کیوں کہ اصل مسئلہ تو متقدمین اور متأخرین کی تصریحات سے ثابت ہے چنانچہ **استیجار علی تعلیم القرآن** کے جواز پر متأخرین میں

سے صاحب ہدایہ، قاضی خان اور صاحب کنز وغیرہ سب محققین فتویٰ دیتے ہیں اور متقدمین میں سے امام فضلی اور فقیہ ابواللیث نے بھی فتویٰ دیا تھا (جس کی تفصیل حیلۂ ناجزہ باب دوم کے مقدمہ میں موجود ہے)۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتوی دینے کے جواز پر مشائخ کا اتفاق ہے اس کے بعد کسی خاص مسئلہ میں بالتخصیص فتویٰ منقول ہونے کی ضرورت نہیں رہتی، پس اگر زاہدی وغیرہ کی نقل نہ ہوتی تب بھی اصل مسئلہ ثابت ہونے کے بعد تحقق ضرورت کے وقت مسئلہ مبحوث فیہا میں فتویٰ دے سکتے تھے، اور اب ان کی نقل سے تائید ہوگئی ؛ خاص کر جب محققین نے ان کی نقل کو قبول کرلیا، غرض زاہدی وقہستانی کا ضعف اس مسئلہ کی نقل میں مضر نہیں کیوں کہ وہ نقل صرف تائید کے واسطے ہے اصل مدار ان پر نہیں بلکہ مشائخ محققین یعنی امام قرافی وغیرہ پر ہے بلکہ مسئلہ افتاء بمذہب الغیر للضرورۃ کی اصل خود امام ابو یوسفؒ سے بھی منقول ہے چنانچہ شامی نے رسم المفتی میں بحوالہ بزازیہ نقل کیا ہے: **انہ صلی الجمعة مغتسلا من الحمام ثم اخبر بفارة میتة فی بیر الحمام؛ فقال: ناخذ بقول اخواننا من اهل المدینة اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا اهـ** اور اس کے بعد صاحب رسالہ نے ابن شحنہ سے بحوالہ شامی مسئلہ منقول میں **اخذ بمذهب الغیر** پر ان الفاظ میں اعتراض نقل کیا ہے: **لکنه اعترض علی الناظم بانه لاحاجة للحنفی الی ذلک لان ذلک خلاف مذهبنا فحذفه الی** چونکہ اس اعتراض میں خود یہ الفاظ موجود ہے ”**لاحاجة للحنفی الی ذلک** اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن شحنہ وغیرہ ضرورت کے تحقق میں کلام کررہے ہیں نہ کہ تحقق ضرورت کے بعد فتوی اور قضا بمذہب الغیر کے جواز میں، اس کے بعد اسی امر دوم کے ختم کے قریب رسالہ کے: ص ۳۱ پر جو لکھا ہے کہ لوگ بہت تعجب کریں

گے کہ جب علامہ شامیؒ مذہب کے خلاف فتویٰ دینا منع کرتے ہیں اور زاہدی وقہستانی کو غیر معتبر بھی کہتے ہیں پھر بعض مسائل جیسے مفقود اور ممتدۃ الطہر وغیرہ کے بارہ میں حرج اور ضرورت کے وقت امام مالک کے قول پر عمل کرنا کیوں جائز لکھتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ شامی نے رفع حرج کے لئے مسئلہ کو ظاہر کر دیا ہے مگر خود نہ فتویٰ دیا اور نہ فتویٰ کی اجازت بلکہ یہاں تک احتیاط کیا کہ بجائے لفظ یفتی کے محکم لکھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: **حیث لم یوجد مالکی یحکم به.** اس میں یہ دعویٰ ہے کہ شامی نے رفع حرج کے لئے مسئلہ کو ظاہر کر دیا مگر نہ خود فتویٰ دیا نہ فتویٰ کی اجازت، یہ نہایت ہی عجیب ہے کیوں کہ وہ تو موضع ضرورت میں فتویٰ اور قضا بمذہب الغیر کی صاف تائید فرما رہے ہیں چنانچہ ممتدۃ الطہر کے باب میں ان کا جو قول ہے وہ عبارت ثالثہ کے جواب میں گذر چکا اور زوجۂ مفقود کے بارے میں بھی اسی طرح جو قول ہے وہ عبارت ثالثہ کے جواب میں گذر چکا اور زوجۂ مفقود کے بارے میں بھی اسی طرح صاف تائید کی ہے جیسا ابھی آتا ہے، اور اس کے بعد جو لکھا ہے "بلکہ یہاں تک احتیاط کیا کہ بجائے یفتی کے یحکم لکھا" اس جملہ سے شامی کا مقصود قضاء وفتوی بمذہب الغیر کی تائید حمایت ہے، کیوں کہ انہوں نے اول زوجۂ مفقود کے بارہ میں مذہب مالک پر فتویٰ دینے کی تائید بزازیہ وغیرہ سے نقل کی ہے؛ پھر لکھا ہے: **واعترض فی النهر وغیره بانه لاداعی الی الافتاء بمذهب الغیر لامکان الترافع الی مالکی یحکم بمذهبه.** بعد ازاں اس کے جواب میں لکھا ہے: **لکن قدمنا ان الکلام عند تحقق الضرورة حیث لم یوجد مالکی یحکم به .**

پس سمجھ میں نہیں آتا کہ مؤلف رسالہ اپنے دعوے پر اس سے استدلال کس طرح کرنا چاہتے ہیں؟! بعد ازاں عنوان "حاصل تحریرات" کے اخیر میں جو درج ہے کہ اگر مالکی مذہب

کے قاضی اور مفتی نہ ہوں تو مجبوراً مذہب مالکیہ کے پورے احکام کی پابندی کرتے ہوئے احناف خود عمل کر سکتے ہیں، اس میں اول تو سخت اشکال یہ ہے کہ یہ اجازت دینا بھی فتویٰ ہے جس سے صاحب رسالہ دوسروں کو منع کر رہے ہیں، کیا فتوے کے لئے خاص لفظ فتوے کی شرط ہے؟ دوسرے یہ کہ خود عمل کیسے ممکن ہے، جبکہ مذہب مالکیہ میں قضائے قاضی شرط ہے اور قاضی کو قضا بمذہب الغیر سے صاحب رسالہ منع کرتے ہیں، تیسرے عامی کو از خود تو اپنے مذہب کی ضعیف روایت پر بھی عمل کی اجازت نہیں جو مذہب غیر پر عمل کرنے سے اہون ہے چنانچہ شامی نے علامہ بیری سے نقل کیا ہے:

ھل یجوز للانسان العمل بالضعیف من الروایة فی حق نفسه. نعم اذا کان له رأی اما اذا کان عامیا فلم اره لکن مقتضی تقییده بذی الرأی انه لا یجوز للعامی ذلک. قال فی خزانة الروایات العالم الذی یعرف معنی النصوص والاخبار وھو من اھل الدرایة یجوزله ان یعمل علیھا وان کان مخالفاً للمذھب . اھـ

پھر مذہب غیر پر عمل کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟ چوتھے عامی کو مذہب غیر معلوم کیسے ہوگا جبکہ اہل علم کو اس رسالہ میں بتلانے تک سے بھی منع کیا گیا ہے، گو پھر خود بتلا بھی رہے ہیں اور اس پر عمل کی اجازت بھی دے رہے ہیں۔ (الحیلۃ الناجزۃ: ۲۱۹)

شاہ عبدالعزیزؒ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک مرید نے عرض کیا کہ اگر ضرورت کے وقت حنفی شافعی کے قول پر عمل کرلے یا کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرلے تو کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے؟

فرمایا کہ اگر کوئی ضرورت شرعی مجبور کرے تو جائز ہے، ورنہ نفسانی حیلہ کے تقاضہ سے ایسا نہ کرنا چاہیئے کہ مثلاً ایک امام کی تقلید کرتا ہے، کسی مسئلہ میں عملاً دوسرے امام کا قول آسان اور سہل پایا اسوقت اسکو اختیار کرلیا یہ بری بات ہے۔ (احسن الفتاوی: ج ۱/ص ۴۱۹)

البلاغ مفتی اعظم نمبر: ص ۴۱۹/۱ پر ہے: لیکن چونکہ چاروں مذاہب بلاشبہ برحق ہے اور ہر ایک کے پاس دلائل موجود ہیں، اس لئے اگر مسلمانوں کو کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو تو اس موقع پر کسی دوسرے مجتہد کے مسلک پر فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، حضرت والد صاحبؒ (مفتی محمد شفیع صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت تھانویؒ کو یہ وصیت کی تھی اور حضرت تھانویؒ نے ہم سے فرمایا کہ آج کل معاملات پیچیدہ ہوگئے ہیں اور اسکی وجہ سے دین دار مسلمان تنگی کا شکار ہیں اسلئے خاص طور سے بیع وشراء اور شرکت وغیرہ کے معاملات میں جہاں بلویٰ عام ہو وہاں ائمہ اربعہ میں سے جس امام کے مذہب میں عام لوگوں کیلئے گنجائش کا پہلو ہو اسکو فتاویٰ کیلئے اختیار کرلیا جاوے۔

لیکن والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ کسی دوسرے امام کا قول اختیار کرنے کے لئے چند باتوں کا اطمینان کرلینا ضروری ہے۔

(۱) سب سے پہلے تو یہ کہ واقعۃً مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت متحقق ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ محض تن آسانی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرلیا جائے، اس اطمینان کا طریقہ یہ کہ کوئی ایک مفتی خود رائے کے ساتھ یہ فیصلہ نہ کرے بلکہ دوسرے اہل فتوی حضرات سے مشورہ کرلے، اگر وہ بھی متفق ہو تو اتفاق رائے کے ساتھ ایسا فتوی دیا جائے۔

(۲) جس امام کا قول لیا جائے اس کی پوری تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل فتوی علماء سے معلوم کی جائیں۔ محض کتابوں میں دیکھنے پر اتفاق نہ کیا جائے کہ بسا اوقات اس قول کی بعض ضروری تفصیلات عام کتابوں میں مذکور نہیں ہوتی اور ان کے نظر انداز کر دینے سے تلفیق کا اندیشہ رہتا ہے۔

(۳) ائمہ اربعہ سے خروج نہ کیا جائے کیوں کہ ان حضرات کے علاوہ کسی بھی مجتہد کا

مذہب مدون شکل میں ہم تک نہیں پہنچا اور نہ ان کے متبعین اتنے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی قول استفاضہ یا تواتر کی حد تک پہنچ جائے۔ (البلاغ: ص/۴۲۰)

علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ بعض لوگ بسا اوقات ضرورت کا غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے نفسانی خواہش اور دنیوی اغراض کے لئے مذہبِ غیر پر عمل کرتے ہیں۔ **وربما استجاز هذا بعضهم فى مواطن يدعى فيها الضرورة والجاء الحاجة بناء على ان الضرورات تبيح المحظورات فيأخذ عند ذلک بما يوافق الغرض حتى اذا نزلت المسئلة على حالة لا ضرورة فيها ولا حاجة الى الاخذ بالقول المرجوح اوالخارج عن المذهب فهذا ايضا من ذلک الطراز المتقدم فان حاصله الاخذ بما يوافق الهوى ومحال الضرورات معلومة من الشريعة (الموافقات: ج/۴، ص/۱۸۱)** مذکورہ عبارت سے بھی ضرورت اور حاجت کے وقت افتاء بمذہب الغیر کا ثبوت معلوم ہوتا ہے۔

امام شاطبی کسی حال میں بھی تتبع رخص مذاہب کو مباح قرار نہیں دیتے، اور اس سے سختی کے ساتھ روکتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

''اور بعض متأخرین ان لوگوں پر جو تتبع رخص مذاہب سے روکتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ کسی مسلک کی طرف صرف مکمل طور پر منتقل ہونا جائز ہے، اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر مانع کی مراد ان چار امور کے ماسوا ہو جس میں قضاء قاضی ٹوٹ جاتا ہے تب تو تسلیم ہے، اور اگر مانع کی مراد وہ چیزیں ہیں جن میں مکلّف کے لئے توسع ہے تو تسلیم نہیں ہے اگر اس کے خلاف نہ ہو، بلکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ''**بعثت بالحنيفية السمحة**'' (میں سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں) اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ یہ بندوں پر ایک قسم

کی مہربانی ہے اور شریعت بندوں کو مشقت میں ڈالنے کے لئے نہیں آئی ہے بلکہ اس کا مقصد مصالح ہے، اور ماقبل کی بحث سے قاری پر واضح ہے کہ اس کلام کی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ ''**حنیفیہ سمحہ**'' میں جس توسع کا ذکر ہے وہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ جو اپنے اصول پر جاری ہے، اور تتبع رخص وتشہی کی بنیاد پر ائمہ کے اقوال کو اختیار کرنا اپنے اصول کے مطابق نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ محض دعوی ہے۔

پھر ہم کہتے ہیں: تتبع رخص میں خواہشات نفسانی کی طرف میلان ہے، اور شریعت خواہشات کی اتباع سے روکتی ہے، لہٰذا یہ متفق علیہ اصول سے متصادم ہے اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل قول سے بھی متصادم ہے:

''**فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ**'' (سورۂ نساء:۵۹)

(پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اللہ اور رسول ﷺ کے حوالہ کرلیا کرو)

اور یہ اختلافی مسئلہ بھی محل نزاع ہے، لہٰذا اسے خواہشات نفس کی طرف لوٹانا صحیح نہ ہوگا، بلکہ اسے شریعت کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا، اور وہ دونوں اقوال میں سے راجح کو بیان کرنا ہے ،جس کی اتباع واجب ہے، نہ یہ اس کی اتباع جو اس کی خواہش کے موافق ہو۔

اور بسا اوقات بعض لوگوں نے ایسی جگہوں میں اس کی اجازت دی جس میں ضرورت تقاضا کرتی ہو اور حاجت مجبور کرتی ہو ''**الضرورات تبیح المحظورات**'' کے فقہی اصول کے پیش نظر تو ایسے مواقع پر مکلّف ایسے پہلو کو اختیار کرے گا جو غرض کے موافق ہو، یہاں تک کہ اگر مسئلہ کی نوعیت ایسی ہو کہ اس میں کوئی ضرورت داعی نہ ہو اور قول مرجوح اور اپنے مسلک سے باہر کے قول کو اختیار کرنے کی حاجت نہ ہو تو اس میں اپنے مسلک یا راجح مسلک والے قول کو اختیار کیا جائے گا، تو یہ بھی سابق طرز ہی کے قبیل سے ہے، کیوں کہ اس کا خلاصہ خواہش کے

موافق کواختیار کرنا ہے،اورضرورت کے مواقع شریعت سے معلوم ہیں،تو اگر یہ مسئلہ ان مواقع ضرورت میں سے ہوگا تو صاحب مسلک امام نے اسے صاحب شرع سے لے کرضرور بیان کیا ہوگا؛ پھرتو اس سے دوسرے مسلک کی طرف منتقل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ مسئلہ ان مواقع ضرورت میں سے نہیں ہے تو کسی سمجھنے والے کا ایسا سمجھنا کہ وہ اس قبیل سے ہے، صریح غلطی ہے اور نا قابل قبول دعویٰ ہے‘‘۔(**الموافقات فی اصول الشریعة للشاطبی: ۱۴۵/۴ ،مباحث فقهیه : ۱۷۹**)

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں ہے: **(ویتخرج منه)ای مما ذکر انه لا یجب الاستمرار علی مذهب (جواز اتباعه رخص المذاهب) قال فی فتح القدیر: لعل المانعین للانتقال انما منعوا لئلا یتتبع احد رخص المذاهب (ج/۲،ص/۴۰۶)**

ضرورت کا استعمال:- طین شارع کو محض ضرورت ودفع حرج کیلئے طاہر قرار دیا گیا ہے، ماقبل میں قلتین کے مسئلہ پر عمل کی امام ابو یوسفؒ کی روایت بلکہ عمل گذر چکا،اسی طرح بحرالرائق کے حوالے سے جمع بین الصلاتین کی روایت ذکر کی گئی۔

اسی طرح وہ امور جو عبادات ومعاملات میں دائر ہیں یعنی نکاح وطلاق اسمیں بھی مذہب غیر اپنایا گیا ہے، مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔(شامی: ج/۳،ص/ ۳۳۰)اسی طرح عدت کی بعض صورتوں میں بھی مالکیہ کے قول کواختیار کیا گیا ہے و**نظیر هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر التی برویة الدم ثلاثة ایام ثم امتد الطهر فانها تبقی فی العدة وعند تنقضی عدتها بتسعة اشهر،وقد قال فی البزازیة: الفتوی فی زماننا علی قول مالک .(۳۳۰/۳)**

معاملات بیع وشراء اور شرکت وغیرہ تو اور بھی اہون ہیں ،فقہائے کرام عرف وتعامل کی بنیاد پر توسع اختیار فرماتے رہے ہیں، ماقبل میں استصناع کی مثال گذر چکی ۔عرف کی وجہ سے تو نصوص میں اور بھی تخصیص کردی جاتی ہے ۔تعامل کی وجہ سے قیاس کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔(بدائع :ج/۵،ص/۱۷۲)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اختلاف مسائل میں اگر ابتلائے عام ہوتو اسکو بھی جائز ہی بتلائیں گے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ شریعت میں وسعت ہے اور معاملات بہت گندے ہورہے ہیں؛ اگر مختلف فیہ امور کو حرام بتلایا جاوے گا تو اگر اس پر کوئی عمل کرے گا تو اسکو تنگی ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شریعت کو تنگ سمجھنے لگے گا ،اس لئے تنگی میں غلو نہ کرنا چاہئے، اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ وسعت ہونے سے اعتقاد درست ہوگا کہ شریعت کیسی اچھی چیز ہے اور کیسی رحمت ہے۔

(فقہ حنفی کے اصول وضوابط)

علامہ شامیؒ ابن ہمام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے مذہب احناف سے خارج مذہب کے بعض اقوال کو قبول کیا ہے۔ایک مسئلہ میں امام مالکؒ کے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اسی رائے پر فتوی دیا جانا چاہئے۔ (رسم المفتی :ص/۱۰۳)

حضرت تھانویؒ ضرورت پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں''ضروری چیز کا معیار یہ ہوا گر وہ نہ ہوتو کوئی ضرر مرتب ہو''۔(مجالس حکیم الامت :ص/۱۰۳)''ہر چیز کی ضرورۃ کا معیار یہ ہے: جس کے بغیر تکلیف ہو وہ ضروری ہے اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے۔''

(امداد الفتاویٰ:ج/۴،ص/۹۴)

ایک جگہ فرماتے ہیں: میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں۔اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوتو اسکی اجازت دیدوں

تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے توصحیح ہوسکے، میں نے احتیاطاً اسکے بارے میں مولینا گنگوہیؒ سے بھی دریافت کیا کہ ایسے مسائل میں دوسرے مذہب پرفتوی دینا جائز ہے یانہیں؟ تو حضرتؒ نے بھی اسکی اجازت دیدی۔مولانا بہت پختہ حنفی تھےاور یہ توسع معاملات میں کیا گیا، دیانات میں نہیں اسمیں کچھ اضرار نہیں۔اسی لئے **جمعة فی القری** میں ابتلاءعوام کے سبب ایسا توسع نہیں کیا البتہ امام شافعیؒ کےقول پراحتیاط ہوتا تو فتویٰ دیدیتا مگر احتیاط حنفی مذہب میں ہے۔''(کلمۃ الحق:ص/۱۷)

فرمایا'' دیانات میں تونہیں لیکن معاملات میں جسمیں ابتلائےعوام ہوتا ہے دوسرے امام کےقول پراگر جواز کی گنجائش ہوتی ہےتواس پرفتوی دفع حرج کیلئے دیتاہوں''۔

(اشرف المعمولات:ص/۳۳۳بحوالۂ فقہ حنفی کےاصول وضوابط)

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ ضرورۃ ومقتضیات زمانہ کی وجہ سےبھی احکام میں تغیر ہوتا ہے۔بہت سے احکام زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں اسلئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے،نئ ضرورتیں پیدا ہوتی ہے،اہل زمانہ میں فساد پیدا ہوجاتا ہے۔اب اگر شرعی حکم پہلے کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور باعث ضرر ہوگا اوران اصول وقواعد کے خلاف ہوگا۔سہولت وآسانی اور نظام کائنات کوعمدہ طریقہ پر رکھنے کیلئے ضررفساد کے ازالے پرمبنی ہے۔(رسائل ابن عابدین:ج/۱،ص/۱۲۶)

جنون کی وجہ سے فسخ نکاح کے قائل صرف امام محمدؒ ہیں لیکن ضرورت کی وجہ سے ان کی رائےشیخین کے مقابلے میں قبول کی گئی۔(عالمگیری:ص/۱۳۴)تعلیم قرآن، امامت،اذان اسی سلسلہ کے مسائل ہیں۔

علامہ شامیؒ نے حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ اگر صاحبین کی رائے امام صاحب کے

موافق ہوتو اس سے بلاضرورۃ تجاوز نہ کیا جاوے، مگر جب اندازہ ہوکہ اگر امام صاحب موجود ہوتے تو وہ بھی یہی رائے قائم فرماتے۔(رسم المفتی:ص/۷۰)

فقیہہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں: جب امام اعظم کے مذہب میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی قول نہ ملے تو امام مالکؒ کے مذہب کی طرف رجوع کیا جاوے، کیونکہ وہ سارے مذاہب میں ہمارے مذہب سے سب سے زیادہ قریب ہے۔(شامی: ج/۲،ص/۵۲۸)

(۱) طاعت وعبادت پر اجرت لینا جائز ہے۔ یہ قول بقول سرخسی اہل مدینہ کا ہے، اور فقہائے احناف میں سے سب سے پہلے مشائخ بلخ نے اسکے جواز کا فتویٰ دیا۔

(مشائخ بلخ:ص/۵۶۹،شامی: ج/۵،ص/۳۵-۳۶)

(۲) دعوی قرض تسلیم کرنے والوں کو قرض کا اتنا ہی حصہ اداء کرنا ہوگا جو جملہ وارثوں کے درمیان وراثت کے تقسیم کے اصول پر انکے ذمہ عائد ہوتا ہو۔

(الحیلۃ الناجزۃ:ص/۵۰،شامی: ج/۴،ص/۵۶)

اگر کسی نے کسی کا مال لے رکھا ہے اور نہیں دیتا ہے تو صاحب حق کو اجازت ہے کہ کسی طرح اسکو اس سے حاصل کرے اگر چہ چوری کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ علامہ شامیؒ نے امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق اپنے حق کی وصول یابی کے جواز کا ذکر کیا ہے۔

(شامی: ج/۳،ص/۲۰۰)

مذہب شافعی پر عندالضرورۃ عمل کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہے مگر نفسانیت اور لذت نفسانی سے نہ ہو، عذر یا حجت شرعیہ سے ہو۔(فتاوی رشیدیہ:ص/۲۴۰)

فقہ حنفی کے قواعد:ص/۱۶۹ اور تذکرۃ الظفر :ص/۱۷۲ میں ہے: بعض مسائل میں امام شافعیؒ کے قول کو حنفیہ کے قول پر ترجیح دی گئی ہے اور لکھ دیا گیا ہے کہ کتب احادیث موجودہ میں

حنفیہ کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ملی ۔ممکن ہے ہمارے ائمہ کے پاس کوئی حدیث ہو جو کتابوں میں ہم کو نہیں ملی اسلئے بحالت موجودہ قول امام شافعیؒ قوی ہے اور ہم نے اسکو اختیار کیا ہے۔ دوسری جگہ مسئلہ مفقود پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **مذهب الحنفية وان كان قويا رواية ودراية ولكن المتأخرين منا قد اجازوا الافتاء بمذهبمالک عند الضرورة نظرًا الى فساد الزمان.** اسکی اجازت شدید ضرورت اور عموم بلویٰ واضطرار کی حالت میں ہوگی۔(جواہر الفقہ: ج ۱/ص ۱۶۶)

جانور کو بٹائی پر دینے کا جو رواج ہے وہ اصول اجارہ پر منطبق نہ ہونے کی وجہ سے منع ہے ۔(فتح القدیر: ج ۸/ص ۳۸۴،شامی: ج ۴/ص ۱۱۱)

حضرت تھانویؒ نے اس صورت کیلئے جواز کا فتویٰ ابن تیمیہ کی نقل کے مطابق فقہ حنبلی کی ایک روایت پر دیا ہے اور بنیاد ضرورۃ وابتلاء کو قرار دیا ہے۔(امداد الفتاوی: ج ۳/ص ۳۴۳)

(۲) ضرورت کے علاوہ افتاء بمذھب الغیر کے شرائط۔

علامہ شعرانیؒ کتاب المیز ان میں فرماتے ہیں: **ورأيت بخط الشيخ جلال الدين السيوطي رحمه الله تعالى به ما نصه حين سئل عن الانتقال من مذهب الى آخر الذى أقول به ان للمنتقل أحوالا، أحدها: أن يكون الحامل له على الانتقال أمرا دنيويا اقتضته الحاجة الى الرفاهية اللا ئقة به كحصول وظيفة أومرتب أو قرب من الملوک وأكابر الدنيا فهذا حكمه حكم مهاجر أم قيس لانه الاعز من مقاصده .**

الثانى: أن يكون الحامل له على الانتقال أمرا دنيويا كذلک لكنه عامى لايعرف الفقه وليس له من المذهب سوى الاسم كغالب المباشرين وأركان

الـدولة وخـدامهم وخدام المدارس فقل هذا أمره خفيف اذا انتقل من مذهبه الـذى كـان يـزعـم أنـه متـقيد به ولا يبلغ الى حد التحريم لانه الى الآن عامى لامـذهـب له فهو كمن أسلم جديدا له التمذ هب باى مذهب شاء من مذهب الائمة.

الثـالث: أن يكون الحامل له أمرا دنيويا كذلک ولكنه من القدرالزائد عـادة على مايليق بحاله وهو فقيه فى مذهبه وأراد الانتقال لغرض الدنيا الذى هـو مـن شهوات نفسه المذمومة فهذا أمره أشد وربما وصل الى حد التحريم لتـلاعبـه بالاحكام الشرعية لمجرد غرض الدنيا مع عدم اعتقاده فى صاحب الـمـذهب الاول أنه على كمال هدى من ربه اذ لو اعتقد أنه على كمال هدى ماانتقل عن مذهبه.

الـرابع:ان يكون انتقاله لغرض ديـنـى ولكنه كان فقيها فى مذهبه وانما انتـقـل لتـرجيـح المذهب الآخر عنده لما رآه من وضوح أدلته وقوة مداركه فهـذا مـا يـجـب عـليه الانتقال أويجوزله كما قاله الرافعى وقد أفرالعلماء من انتـقـل الـى مذهب الشافعى حين قدم مصر وكانوا خلقا كثيرا مقلدين للامام مالک.

الـخـامس : أن يكون انتقاله لغرض دينى لكنه كان عاريا من الفقه وقد اشتـغـل بـمـذهبـه فـلـم يحصل منه على شيئ ووجد مذهب غيره أسهل عليه بـحيـث يرجو سرعة ادراكه والتفقه فيه فهذا يجب عليه الانتقال قطعا ويحرم عـليـه التـخـلف لان تـفـقـه مثـلـه على مذهب امام من الأئمة الاربعة خير من

الاستمرار على الجهل لانه ليس له من التمذهب سوى الاسم، والاقامة على الجهل نقص عظيم فى المؤمن وقل ان تصح معه عبادة ،قال الجلال السيوطى: وأظن ان هذا هوالسبب فى تحول الطحاوى حنفيا بعد ان كان شافعيا فانه كان يقرأ على خاله الامام المزنى فتعسر يوما عليه الفهم فحلف المزنى انه لا يجيئ منه شيء فانتقل الى مذهب الامام أبى حنيفة ففتح الله تعالى عليه وصنف كتابا عظيما شرح فيه المعانى والآثار؛ وكان يقول: لوعاش خالى ورآنى اليوم لكفرعن يمينه انتهى .

السادس: أن يكن انتقاله لالغرض دينى ولا دنيوى بان كان مجردا عن القصدين جميعا فهذا يجوزمثله للعامى أما الفقيه فيكره له أويمنع منه لانه قد حصل فقد ذلك المذهب الأول ويحتاج الى زمن آخر ليحصل فيه فقه المذهب الآخر فيشغله ذلك عن الامر الذى هو العمل بما تعلمه قبل ذلك وقد يموت قبل تحصيل مقصوده من المذهب الآخر فالاولى لمثل هذا ترك ذلك. انتهى كلام الجلال السيوطى رحمه الله تعالى .(كتاب الميزان: ص/ ٣٦،٣٧)

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے فرمایا کہ میں نے خود جلال الدین سیوطی کے اپنے خط سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب آپ سے انتقال مذہبی کا سوال کیا گیا تو آپ نے اسکے مختلف حالات بتائے۔فرمایا:

(۱) کبھی تو آدمی کو دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے پر آمادہ کرنے والا کوئی دنیوی امر ہوتا ہے جس میں کوئی ایسا مناسب فائدہ ہو جسکا حاجت تقاضہ کرتی ہو،مثلا وظیفہ یا کسی عہدہ

اورمرتبہ کا حصول یا بادشاہ اور دنیا کے اولوالعزم لوگوں کا تقرب تو اسکا حکم مہا جرام قیس کا سا ہے کیونکہ انکا مقصد اصلی وہی ام قیس تھی ۔

(۲) کبھی مذکورہ دنیوی امر ہی ہوتا ہے لیکن وہ شخص جاہل ہے فقہ سے بالکل بے خبر ہے جیسے ارکان دولت اور انکے خدام، اسی طرح مدارس کے خدام۔ تو اس کا اس مذہب سے منتقل ہو جانا جسکا اپنے زعم میں وہ پابند تھا ایک معمولی بات ہے۔ وہ درجہ حرام تک نہیں پہونچا ہے، کیونکہ وہ اب تک ایسا عامی ہے جسکا کوئی مذہب ہی نہیں ۔اسکی مثال نئے مسلمان ہونے والے جیسی ہے، تو اسکے لئے جائز ہے کہ مذہب اربعہ میں سے جسکو چاہے اپنائے ۔

(۳) کبھی انتقال مذہبی پر آمادہ کرنے والا امر دنیوی ہی ہوتا ہے لیکن وہ قدر حاجت سے زائد اور اسکے حال کے نامناسب ہوتا ہے اگر چہ وہ اپنے مذہب میں فقیہہ بھی ہو مگر اسکا اصلی سبب ایسی دنیوی غرض ہوتی ہے جو خواہشات مذمومہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس کی یہ حرکت بہت سخت ہے۔ اور کبھی یہ فعل حرام کی حد تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ وہ محض دنیوی اغراض سے احکام شرعیہ کے ساتھ کھیل کر رہا ہے۔ مزید برآں وہ صاحب مذہب اول کو ہدایتِ کامل پر نہیں سمجھتا کیوں کہ اگر اسکو حق سمجھتا تو انتقال مذہبی نہ کرتا۔

(۴) کبھی انتقال مذہبی دینی غرض سے کرتا ہے اور وہ شخص اپنے مذہب میں فقیہ بھی ہوتا ہے لیکن چونکہ دوسرے امام کے دلائل کو واضح اور مضامین عقلیہ کو قوی جان لیتا ہے اسلئے وہ اسکے مذہب کو ترجیح دیکر اس کی طرف منتقل ہوتا ہے تو یہ شخص وہ ہے جس پر نقل مذہب واجب ہے یا جائز ہے جس طرح امام رافعیؒ نے بیان کیا ہے اور علماء زمانہ نے ان لوگوں کو جنھوں نے امام شافعیؒ کے تشریف لانے کے بعد آپ کے مذہب کو اختیار کرلیا تھا، اسی مذہب پر برقرار رکھا، یہ ایک جم غفیر تھا جو مذہب مالکی رکھتا تھا۔

(۵) کبھی نقل مذہبی دینی غرض سے ہوتی ہے لیکن وہ شخص فقہ سے کورہ ہوتا ہے اور اپنے مذہب میں مشغول ہونے کے بعد بھی اس سے کچھ حاصل نہ ہو۔اب جب دوسرے مذہب میں اس نے غور کیا تو اسکو ایسا سہل معلوم ہوا کہ اسکو اس مذہب میں علمی ادراک اور تفقہ جلدی حاصل ہونے کی امید ہوگی تو ایسے شخص پر قطعا نقل مذہب واجب ہے اور مذہب سابق پر جمے رہنا اسکے لئے حرام ہے، کیونکہ اسکا ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مذہب میں فقیہ بن جانا بہ نسبت اسکے جہالت پر مستمر رہنے کے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ مذہب سابق اس کے واسطے برائے نام تھا اور جہالت پر رہنا مؤمن کے حق میں نقص عظیم ہے اور جاہل کی عبادت بہت کم صحیح ہوتی ہے۔فرماتے ہیں "میرے نزدیک امام طحاویؒ کا مذہب شافعیؒ کو چھوڑ کر حنفی ہوجانے کا سبب یہی ہے۔"

(۶) کبھی نقل مذہبی نہ کسی دنیوی غرض سے ہوتی ہے نہ دینی، بلکہ وہ شخص دونوں مقصدوں سے خالی الذہن ہوتا ہے۔تو اگر وہ عامی ہے تو اسکے لئے نقل مذہبی جائز ہے اور اگر وہ عالم اور فقیہ ہے تو اسکے لئے مکروہ ہے یا منع، کیونکہ جب وہ فقیہ ہے تو اس مذہب میں اسکو تفقہ بالفعل حاصل ہے اور دوسرے مذہب کو اختیار کرنے میں اس علم پر عمل نہیں ہوسکتا جو پہلے سے حاصل ہے۔اور ممکن ہے کہ وہ اپنے مقصود کے حاصل کرنے سے پہلے فوت ہوجائے نہ ادھر کا رہے نہ ادھر کا۔تو اسکے واسطے بہتر یہی ہے کہ وہ انتقال مذہبی نہ کرے۔

(کتاب المیزان: ج/۱،ص/۳۶)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اسی طرح کے سوالات کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال (۷۵۷): جو شخص حنفی کہلا کر بعض مسائل اختلافیہ میں مسائل شافعیہ وحنابلہ پر اپنی تحقیق کی بناء پر عمل کرے تو وہ حنفیت سے نکل جائے گا یا نہیں؟ حالانکہ امام ولی اللہ صاحب

انفاس العارفین، ص: ۷۰ میں لکھتے ہیں:

''مخفی نماند کہ حضرت ایشاں: ای عبدالرحیم صاحب دھلوی دراکثر امور موافق مذھب حنفی عمل می کردند الابعض چیز ھا کہ بحسب حدیث یا وجدان بمذھب دیگر ترجیح می یافتند، ازاں جملہ آنست کہ دراقتداء سورۃ فاتحہ می خواندند، ودرجنازہ نیز''۔

(''حزبِ امام ولی اللہ صاحب دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ''، ص: ۱۶۰، ۹۲، سندھ ساگرا کادمی لاہور۔ مؤلفہ مولانا مولوی عبیداللہ صاحب سندھی حنفی دیوبندی۔)

نیز مکتوبات شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے ص: ۵ میں لکھا ہے:

''گفتم بقدرِ امکان جمع می کنم در مذھبِ مشھورہ، مثلا صوم وصلوٰۃ ووضوو غسل وحج بوضعے کہ واقع می شود کہ ھم اھل مذاھب صحیح دانند وعند تعذر الجمع باقویٰ مذاھب ازروئے دلیل وموافقتِ صریح حدیث عمل می نمایم'': (لم اظفر علیہ)۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی وحضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنے مسلک مذکورہ کی بناء پر مقلد تھے یا غیر مقلد؟ اور ان کو باوجودِ حنفی مذہب کے ایسا کرنا درست تھا یا نہیں؟ غور فرما کر اس مسئلہ پر لکھیں۔

الجواب حامدا ومصلیاً:

اگر کوئی حنفی اپنی وسعت نظر، جودتِ فہم، صفائی باطن یا کسی اور داعیۂ قویہ کی بناء پر کسی دوسرے امام کی دلیل کو قوی سمجھ کر اس پر عمل کرے تو وہ شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوگا،

''والحاصل ان ماخالف فیه الاصحاب امامهم الاعظم لایخرج عن مذهبه إذا رجحه المشائخ المعتبرون، وکذا مابناه المشائخ علی العرف الحادث لتغیر الزمان او للضرورة، ونحو ذلک لایخرج عن مذهبه ایضا لأن مارجحوه

لترجح دليله عندهم مأذون به من جهة الإمام الخ“(شرح عقود رسم المفتی ، ص : ٦٨، میر محمد کتب خانه).

”ونظير هذا مانقله العلامة بيرى فى اول شرحه على الاشباه عن شرح الهداية لابن الشحنه ، ونصه : إذا صح الحديث وكان على خلاف المذهب عمل بالحديث ، ويكون ذلک مذهبه ، ولا يخرج مقلده عن كونه حنفيا بالعمل به ، ....ولايخفى ان ذلک لمن كان اهلا للنظر فى النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها ، ... ولذا رد المحقق ابن الهمام على بعض المشائخ حيث افتوا بقول الامامين بأنه لايعدل عن قول الإمام إلا لضعف دليله“. (رد المحتار، المقدمه، مطلب : صح عن الإمام أنه قال : إذا صح الحديث فهو مذهبى : ١/٦٧،٦٨، سعيد).

اورقوتِ داعیہ کے موافق وہ شخص معذور ہوگا اور دوسروں کو اس کا اتباع جائز نہیں ہوگا، (حاشیہ) ”ان المفتى المجتهد ليس له العدول عما اتفق عليه ابو حنيفة واصحابه ، فليس له الافتاء به وان كان مجتهدا متقنا، ....قلت: ذلک فى حق من يفتى غيره.. واما فى حق العمل به لنفسه فالظاهر جوازه له ، يدل عليه قول خزانة الروايات : يجوز له ان يعمل عليها وان كان مخالفا لمذهبه : اى لان المجتهد يلزمه اتباع ما ادى اليه اجتهاده“.(شرح عقود رسم المفتى: ١٠٢، ١٠٣، میر محمد کتب خانہ کراچی)اوراس کی نظیریں مذاہب اربعہ میں موجود ہیں۔شیخ ابن ہمامؒ کی ابحاث کو ان کے تلمیذِ خاص قاسم بن قطلو بغانے نا قابلِ اعتناءقرار دیا ہے، كذافى رسم المفتی ۔(حاشیہ)”قال العلامة قاسم فى حق شيخه خاتمة المحققين

الکمال ابن الھمام :”لا یعمل بابحاث شیخنا التی تخالف المذھب “.
(شرح عقود رسم المفتی، ص: ٦٨ ، میر محمد کتب خانہ کراچی، و کذا
فی ص: ٧٦ من شرح عقود رسم المفتی)

ابن حجر مکی شافعیؒ نے فتاویٰ کبریٰ میں لکھا ہے کہ فقہ شافعی میں زکوٰۃ کے متعلق تین مسائل ایسے ہیں جن میں فقہ حنفی کے موافق فتویٰ دیا جاتا ہے: نقل الزکوٰۃ ، ودفع الزکوٰۃ الی واحد،ودفعھا الی احد الاصناف اھ۔(حاشیہ)”جازلہ ان ینقل ماکان اخذہ الی بلدہ ....فلہ اعطاء بعض آحاد الصنف اقل متمول، فان اعطی اثنین من صنف دون الثالث ..او واحد فقط...اماذا لم یوجد الثالث فیعطی الکل للإثنین إن احتاجاہ، ولا ینقل باقی اسھم الی غیرھما ، فان لم یحتاجوہ رد علی الباقین ان احتاجوہ وإلا نقل إلی غیرھم ؛ إذ حصة من فقد من الاصناف او من آحاد الصنف بمحل الزکاة....الخ“(الفتاویٰ الکبری لابن حجر المکی ، کتاب الزکاة : ١/ ٣٢،٣٨، المکتبة الإسلامیة)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں امام مالکؒ کے مذہب کو طہارت ماء کے متعلق پسند کیا ہے ۔(حاشیہ) ”ھذا ھو مذھب الشافعی رضی اللہ عنہ ، و کنت اود ان یکون مذھبہ کمذھب مالک رضی اللہ عنہ فی ان الماء و ان قل لاینجس إلا بالتغیر؛ إذ الحاجة ماسة إلیہ. “ (إحیاء العلوم للغزالی ، کتاب اسرار الطھارة : ١/ ١٨٣ ، رشیدیہ) فقہائے احناف نے مسئلہ مفقود میں امام مالکؒ کا مسلک اختیار کیا ہے۔(حاشیہ) (راجع إلی ”حیلۂ ناجزہ“ لحکیم الامة اشرف علی التھانوی، ص: ٦٢ ، دارالاشاعت کراتشی) وغیرہ وغیرہ۔

شاہ عبدالرحیم صاحب ؒ حنفی تھے (حاشیہ): (دیکھئے مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی کی تالیف '' مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکرولی اللھی ، ص : ۵۴ مطبع حق چاریار اکیڈمی گجرات'') شاہ صاحب انفاس العارفین میں اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم دہلویؒ کے متعلق فرماتے ہیں '' یہ بات مخفی نہ رہے کہ حضرت اکثر امور میں حنفی مذہب کے مطابق عمل فرماتے تھے سوائے چند ایک چیزوں کے'' ۔ (کتاب :مولانا عبید اللہ سندھی اور تنظیم فکرولی اللہی ، المصدر السابق و کذا فی انفاس العارفین ، مترجم سید محمد فاروق قادری ، ص : ۱۵۷ ، المعارف گنج بخش لاھور ...) چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں وہ بھی شریک تھے اور جگہ جگہ اصلاحات بھی فرمائی ہیں ۔شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی مقلد اور حنفی تھے ۔(حاشیہ): ،اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ ملاحظہ ہیں:''کتبه بیده الفقیر الی رحمة الله الکریم الودود ، ولی الله بن عبدالرحیم الصوفی طریقة ، والحنفی عملا ، والحنفی والشافعی درساً،'' یہ الفاظ حضرتؒ نے اس صحیح بخاری پر تحریر فرمائے ہیں جو شاہ صاحبؒ کے درس میں استعمال ہوا ہے۔

(مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور تنظیم فکرولی اللھی ،ص:۵۳)

وفی حزب امام ولی الله محدث دهلوی هکذا ''شاہ ولی اللہ حنفی تھے، ....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حنفی مذہب کا ایک ایسا عمدہ طریقہ بتایا جو ان حدیثوں سے جن کو بخاری اور ان کے ساتھیوں نے جمع کیا اور ان کی جانچ پڑتال کی ، زیادہ قریب اور موافق ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ ، امام محمدؒ، ان تینوں کے اقوال میں سے وہ قول قبول کیا جائے جو حدیث سے زیادہ قریب ہو، ......الخ،'' (حزب ولی اللہ دہلویؒ کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ ،ص:۹۲ ،سندھ ساگر اکادمی ، لاہور) ۔بعض حضرات کو ان کی مختلف عبارات سے اس

کے خلاف کا ایہام ہوتا ہے مگر اسی کتاب، ص: ۴۸، ۶۲، ۱۰۵ میں حنفی مذہب کو ترجیح دی ہے، اصل یہ ہے کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرنا چاہتے تھے اور یہ طبعی چیز تھی، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی مشاہدہ میں ان کو اس پر مجبور کیا گیا جیسا کہ اور بھی بعض اشیاء پر خلاف طبع مجبور کیا گیا، چنانچہ فرماتے ہیں:

''وجبلتي تأبى التقليد وتأنف منه رأسا، ولكن شيئ طلب مني التعبد به بخلاف نفسي .....الخ'' (مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور تنظیم فکر ولی اللہی، ص: ۵۵، (بحوالہ فیوض الحرمین: ۱۶۵)۔ اس میں مذاہب اربعہ میں سے کسی کی تخصیص نہیں کی گئی بلکہ دائر رکھا گیا ہے، لیکن، ص: ۴۸، ۶۲، ۱۰۵ میں ترجیح موجود ہے۔

جن مسائل میں دیگر مذاہب کی رعایت موجود ہو اس میں خروج عن الخلاف کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے، (حاشیہ): '' الاحتياط في الدين مطلوب، ومراعاة الخلاف امر محبوب سواء كان قولا ضعيفا في المذهب، او كان مذهب الغير كيف، الخ، (الفوائد المخصصة بأحكام كي الحمصة، في ضمن رسائل ابن عابدين: ۱/ ۶۱، سہیل اکیڈمی لاھور)... شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا عام طریقہ یہی ہے، الا في بعض المسائل، فإنه عمل بتحقيقه.

ایک کتاب پر اپنے دستخط کے ساتھ انہوں نے حنفی خود بھی تحریر فرمایا ہے (راجع، ص: ۶۱۹، رقم الحاشية: ۳)۔۔ جس پر بادشاہِ وقت کے بھی دستخط ہیں اور وہ کتاب الٰہی بخش لائبریری پٹنہ بہار میں محفوظ ہے۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ۱۱/ ۶۴ھ

کیا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مقلد تھے؟

سوال:- (۷۵۸) : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ مقلد تھے یا غیر مقلد، اگر مقلد تھے تو ان کا مسلک کیا تھا؟ یہاں بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے۔حوالہ کتب معتبرہ سے مدلل بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصليا :

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علوم واسعہ ،افکار عمیقہ ،اخلاق فاضلہ،اعمال صالحہ،تزکیۂ نفس،طہارت باطن،نسبت قویہ،مکاشفہ صحیحہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ جہاں کسی چیز میں کوئی اشکال ہوا فوراً روحانیت نبویہ سے حل کرلیا،آثارِ صحابہ گویا سب کے سب نظروں کے سامنے تھے،ان کے مذاہب سے واقفیت حاصل تھی ،ائمہ مجتہدین کے اصول استنباط اور ماخذِ مسائل پر پورا عبور تھا،تطبیق بین الروایات میں ملکۂ تامہ تھا،ناسخ ومنسوخ کے حافظ تھے وغیرہ وغیرہ،ان اسباب کی بناء پر آپ تقلید کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے تھے،طبیعت کو اس سے انکار تھا لیکن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقلید پر مجبور فرمایا،تقلید کے علاوہ اور بھی بعض چیزیں ایسی ہیں کہ تقاضائے طبعی کے خلاف ان پر مامور کئے گئے،چنانچہ لکھتے ہیں:

”وثانيهما : الوصاة بالتقيد بهذه المذاهب الأربعة ، لا أخرج منها ، والتوفيق ما استطعت، وجبلتي تأبى، وتأنف منه رأسا ، ولكن شيئ طلب منى التعبد منه بخلاف نفسي اهـ“ ، (فيوض الحرمين ، ص: ٦٥) (مترجم) تینتیسواں مشاہدہ ،ص: ۲۲۷ ، دارالاشاعت)۔اس سے مطلق تقلید کے ساتھ مقید ہونا معلوم ہوا، نیز وہ تقلید مذاہب اربعہ میں محصور ہے۔

مذہب حنفی کی ترجیح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”عرفنی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن فی المذهب الحنفی طریقة انیقة ، وهی اوفق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابه، وذلک ان یؤخذ من اقوال الثلاثة قول اقربهم بها فی المسئلة، ثم بعد ذلک یتبع اختیار الفقهاء الحنفیین الذین من علماء الحدیث ، فرب شیئ سکت عنه الثلاثة (ابوحنیفة وصاحباه) فی الأصول ، وماتعرضوا لنفیه، ودلت الأحادیث علیه ، فلیس بد من أصحابه، والکل مذهب حنفی اهـ“. (فیوض الحرمین ص: ۴۸) (مترجم)اٹھیسواں مشاہدہ، ص:۱۷۵،دارالاشاعت)

۱۱۷۶ھ میں وفات ہے،اسی ۱۱۷۶ھ میں اخیر مرتبہ بخاری شریف پڑھائی ہے،اور مولوی چراغ صاحب کے لئے سندا پنے قلم سے لکھی ہے جوکہ بخاری شریف کے ساتھ خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے،اس میں اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھاہےاورحضرت شاہ رفیع الدین صاحب کی تصدیق ہے کہ یہ میرے والد کی تحریرفرمودہ ہے، نیز شاہ عالم کی مہر بھی اس تصدیق پر موجود ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر تک حنفی رہے،کسی کو یہ کہنے کی مجال نہیں کہ بعد میں غیر مقلد ہوگئے تھے۔نعوذ باللہ منہ،البتہ حسب وسعت جمع فرماتے تھے،ادلہ کی قوت وضعف سے بھی بحث فرمایا کرتے تھے جس سے بعض کوشبہ ہوجایا کرتا تھا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عالم محقق کے لئے تقلیداورایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال:

سوال:(۷۶۰) : ۱.....فقہاء کی اصطلاح میں تقلید کے کیا معنی ہیں؟

۲.....کیا حقیقۃً یہ امر علماء کے یہاں مسلم ہے کہ جوشخص بجائے خود مجتہد ہواس کے لئے

جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی تقلید کرے، بایں معنی کہ ”**التقلید العمل بقول من لایعرف دلیله**“۔

۳....کوئی شخص اگر خود اجتہاد کے مرتبہ پر فائز نہ ہو، مگر عالم بالکتاب والسنۃ ہو اور نہ صرف عالم ہو بلکہ سنن نبویہ میں نظر بالغ رکھتا ہو، اس کے ساتھ وہ مختلف مذاہب فقہیہ کے فروعی مسائل میں تحقیق اور ترجیح کی بھی قابلیت رکھتا ہو ایسے عالم کے لئے ائمہ مذاہب کی تقلید کی کیا صورت ہوگی؟ آیا وہ لازمی طور پر ہر حالت میں کسی معین مذہب کے ساتھ وابستہ رہے گا اور کسی حالت میں بھی اس کے لئے دوسرے مذہب کی پیروی جائز نہ ہوگی اگر چہ وہ ایک ہی مسئلہ میں ہو، یا اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ مختلف مذاہب کے فروعیات پر تحقیقی نظر ڈال کر سب کا علمی جائزہ لے، پھر ان مختلف فروعیات میں بھی جو مسئلہ اس کو اوفق بالکتاب والسنۃ معلوم ہو اس پر عمل کرے؟

۴.... بالفرض اگر وہ پہلے سے کسی معین مذہب کا التزام کر چکا ہو تو آیا وہ التزام کے بعد دوسرے مذہب فقہی میں کلی یا جزوی طور پر انتقال کر سکتا ہے یا نہیں یا ہمیشہ کے لئے اس مذہب سے وابستہ رہے گا، جس کا اس نے پہلے التزام کیا ہے؟

۵....پھر جو شخص عالم بالکتاب والسنہ نہ ہو بلکہ عامی ہو، ایسے عامی شخص کے لئے تقلید اور ایک مذہب فقہی سے دوسرے مذہب فقہی میں انتقال کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

(۱) جس شخص پر اعتماد ہو کہ دلیل کے موافق حکم بتائے گا اس کے قول کو تسلیم کر لینا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا تقلید ہے، کذا فی عقد الجید (**الحاشية**: ”**وامارة هذا التقليد ان يكون عمله بقول المجتهد كالمشروط بكونه موافقا للسنة**“.

(عقد الجيد فصل سوم ، مسئلۂ پنجم ، ص: ۱۲۱، ۱۲۲،قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانه کراچی).

(۲) راجح قول یہی ہے کہ مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید کا حق حاصل ہے،اس لئے کہ اجتہادمتجزیٰ ہے،کماصرح بہ الشامی۔ (**الحاشية**: "قال فی التحریر : مسئلة : غیر المجتهد المطلق یلزمه التقلید وان کان مجتهدا فی بعض مسائل الفقه، او بعض العلوم کالفرائض ، علی القول بتجزی الاجتهاد ، وهو الحق ،فیقلد غیره فیما لایقدر علیه". (شرح عقود رسم المفتی ، مطلب فی معنی قول الأئمة: لایحل لأحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا؟ ص: ۷۴، میر محمد کتب خانه)

(۳) جب اس کا دامن اجتہاد سے خالی ہےتو اس کو وسعت نظر وعلم کے باوجود تقلید شخصی لازم ہے، محض اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر دوسرے مذہب کی پیروی کا حق نہیں، تلفیق بالاجماع باطل ہے، کذافی الدر المختار .(**الحاشية**: "وان الحکم الملفق باطل بالاجماع" (الدر المختار ، المقدمة : ۱/ ۷۵، سعید). اس کا اجتہاد سے محروم ہونے کے باوجود کسی مسئلہ کو اوفق بالکتاب والسنۃ قرار دینا اپنے منصب سے بڑھ کر بات ہے۔

(۴) جس اعتماد کی بناء پر ایک امام کی تقلید کی تھی اگر وہ اعتماد وسعت نظر وعلم کی بناء پر وہاں سے ختم ہوکر دوسرے امام کے ساتھ قائم ہوگیا ہے تو کلیۃً انتقال مذہب کی اجازت ہے ۔جزوی انتقال میں تلفیق کا مفسدہ ہے کذافی الحموی .(**الحاشية**: "لم اجده فی الحموی علی الاشباه : وقال فی مقدمة اعلاء السنن : "قال صاحب جامع الفتاویٰ من الحنفية : یجوز للحنفی ان ینتقل الی مذهب الشافعی وبالعکس

لـكن بالكلية ، امافی مسئلة واحدة فلا یمکن "۔ (ذکر الشروط الثلاثة لجواز الانتقـال : ۲/۲۲۷ ، ادارة القرآن کراچی)۔ وفی رد المحتار : "ولوان رجلا برئ من مذهبه باجتهاد وضح له، کان محمودا ماجورا"۔(کتاب الشهادات ، باب التعزیر ، مطلب فیما اذا ارتحل الی غیر مذهبه : ۴/۸۰، سعید)

(۵) اس کی اجازت نہیں ۔ یہ اتباع ہویٰ اور تلعب ہے ،عقد الجید ،انصاف ،سبیل الرشاد ، الاقتصاد ، انتصار الحق ،تیسیر ،التقریروالتحبیر میں تفصیلی دلائل مذکور ہیں ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(**الحاشية**: (عقـد الجيد(مترجم اردو) تاکید الاخذ بهذه المذاهب الاربعة: ۵۳، ۷۳، ۱۳۳، ۱۱۴، قرآن محل کراچی)

(**الحاشية**: (الانـصـاف فـی بيـان اسبـاب الاختلاف ، التقلید فی المذاهب الاربعة ، ص: ۹۷، ۱۱۱ ، دارالنفائس).

(**الحاشية**: (سبيـل الـرشـاد، قول ششم ص: ۵۱۷، ۵۳۲، اداره اسلامیات لاهور)

(**الحاشية**: (الاقتـصـاد فـی التقليد والاجتهاد ، مقصد چهارم ص: ۳۰-۵۵، اداره اسلامیات لاهور)

(**الحاشية**: (انتـصـار الـحق ، اثبات تقلید امام معین کے دلائل ،ص:۱۴۰، ۱۹۲،مطبع صدیقی ،بریلی)

(**الحاشية**: (تیسیـر التـحـریر، مسئله: لایرجع المقلد فیما قلد فیه، الجزء الرابع ، ص: ۲۵۳،۲۵۵ ، مصطفی البابی)

(**الحاشية**: (التقریر و التحبیر ،مسئله : غیر المجتهد المطلق یلزمه التقلید : ۳/ ۳۴۴، ۳۴۵، ومسئله : لایرجع المقلد فیما قلد فیه : ۳/ ۳۵۰، ۳۵۵، عباس احمد الباز مکة المکرمة)

حنفی کوکسی اور کے قول پرعمل کرنا کیاتقلید کے خلاف ہے؟

سوال :- (۷۶۱) : تقلید کی تعریف کیا ہے؟ اگر امام ابو یوسف وزفر رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پرعمل کرے تو کیا اس صورت میں بھی حنفی رہے گا؟ بوقت ضرورت شوافع و مالکیہ کے قول پر (مثلاً مسئلہ مفقود) عمل کرنے سے حنفی رہے گا یا نہیں؟ جب کہ وہ دوسرے امام کے قول پر عمل کررہا ہے؟ سائل محمد بشیر رنگونی ۵/صفر ۵۳ھ۔

الجواب حامدا ومصلیا:

غیر مجتہد کا قول مجتہد کو اختیار کرنا اس اعتماد پر کہ اس کے پاس اس کی دلیل ہے اور اس سے دلیل طلب نہ کرنا یہی تقلید ہے۔(**الحاشية**: (تحفۃ العلماء، باب چہارم،تقلید کا بیان ۲/ ۲۸۴،ادارہ تألیفات اشرفیہ)

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے اصول جن کو ان کے تلامذہ نے مفصلا بیان کیا اور ان پر مسائل متفرع ہوئے خواہ وہ مسائل امام اعظمؒ سے بالتصریح منقول ہوں یا نہ ہوں ان کو ماننے والا اور ان پرعمل کرنے والا حنفی ہے، امام صاحب کے تلامذہ کے اقوال بھی امام صاحب ہی کے اقوال ہیں، خواہ وہ صراحۃً ہوں خواہ التزاما، لہٰذا مواقع مخصوصہ میں ان پرعمل کرنے سے حنفیت سے خروج نہ ہوگا۔

بعض دفعہ واقعات اور حوادث کے تغیر سے حکم بدل جاتا ہے جیسے متاخرین نے دیکھا کہ اگر آج امام صاحب ہوتے تو فلاں مسئلہ میں یہ حکم دیتے لہٰذا متاخرین نے وہی حکم دیا،

خواہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول ہو یا کسی دوسرے کا۔ اس قسم کا تغیر جح نفل وصدقہ کی افضلیت وغیرہ کا خود امام صاحب کے زمانہ میں بھی ہوا ہے، لہٰذا اس سے حنفیت میں فرق نہیں آتا۔ والبسط فی عقود رسم المفتی لابن عابدین۔ (**الحاشية**: ''وفی الولوالجية من كتاب الجنايات : قال ابويوسف : ماقلت قولا خالفت فيه اباحنيفة الا قولا قد كان قاله، وروى انه قال : ماخالفت ابا حنيفة فی شیئ الا قد قاله ثم رجع عنه، فهذا اشارة الى انهم ماسلكوا طريق الخلاف ، بل قالوا ماقالوا عن اجتهاد ورأى اتباعا لما قاله استادهم ابو حنيفة، انتهى)

...قالوا ماقلنا فی مسئلة قولا الا وهو روايتنا عن ابی حنيفة ، واقسموا عليه ايمانا غلاظا ، فلم يتحقق اذن فی الفقه جواب ولامذهب الا له كيف ماكان ، وما نسب الى غيره الا بطريق المجاز للموافقة.

(وقال بعد صفحتين) : والحاصل ان ماخالف فيه الاصحاب امامهم الاعظم لا يخرج عن مذهبه اذا رجحه المشائخ المعتبرون ، وكذا مابناه المشائخ على العرف لتغير الزمان او للضرورة و نحو ذلک لا يخرج عن مذهبه ايضا.

باعتبار انه لو كان حيا لقال بما قالوه، انما هو مبنی علی قواعده ايضا.

(شرح عقود رسم المفتی ، مطلب : اقوال اصحاب الامام فی الحقيقة اقواله، ص: ٦٥ – ٦٨ ، مير محمد كتب خانه) حررہ العبد محمود گنگوہی، ۵۳/۲/۸ھ الجواب صحیح: سعید احمد صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۵/صفر/۵۳ھ (فتاوی محمودیہ: ۶۱۶/۲ تا ۶۲۷)

سهولت وآسانی (جبکہ خواہش نفسانی نہ ہو)

ماقبل میں ابن ہمام اورابن امیر بادشاہ کے حوالے سے گذر چکا (اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا بیان تفصیل سے گذر چکا) لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس موقع پراس سے پہلے اسکی مخالف رائے پرعمل نہ کر چکا ہو، آپ ﷺ بھی وہ بات پسند فرماتے تھے جس میں امت کیلئے آسانی ہو ۔بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ آپ امت کیلئے آسانی پسند فرماتے تھے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

(ویتخرج)ای یستبنط (منه)ای من جواز اتباع غیر مقلده الاول وعدم التضییق علیه (جواز اتباع رخص المذاهب) ای اخذه من المذاهب ماهو الاهون علیه فیما یقع من المسائل (ولا یمنع منه مانع شرعی اذللانسان ان یسلک)المسلک (الاخف علیه اذا کان له)ای للانسان (الیه) ای ذلک المسلک الاخف (سبیل)ثم بیَّن السبیل بقول (بان لم یکن عمل بآخر)ای بقول آخر مخالف لذلک الاخف (فیه)ای فی ذلک المحل المختلف فیه (وکان ﷺ یحب ماخفف علیهم) فی صحیح البخاری عن عائشة رضی الله عنها بلفظ منهم وفی روایة بلفظ ما یخفف عنهم ای امته وذکروا عدة احادیث صحیحة دالة علی هذا المعنی .

(تیسیر التحریر : ۲۵۴/۴)

حضرت مولانا خالدسیف اللہ صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ فقہاء کی عبارتوں میں یہ تعارض حقیقی تعارض نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان دومختلف صورتوں سے ہے کہ اگر فقہاء ایسے تفردات اورنوادرکواپنے عمل کی بنیاد بنائیں جوامت کے سوادِاعظم کی رائے

اور مسلک کے خلاف ہوتب تو یہ صحیح نہیں، ورنہ اگر امت کو کسی تنگی سے نکالنا اور کوئی سہولت پیدا کرنا مقصود ہوتو اس کی اجازت ہے، کتب فقہ میں کثرت سے اس کی نظیریں موجود ہیں۔

مزارعت اور مساقات وغیرہ کی اجازت اسی قبیل سے ہے، اسی لئے علامہ شامی نے مسافرین کے لئے جمع بین الصلوٰتین کی اجازت بھی دی ہے، علامہ ابن ہمامؒ مختلف مذاہب کے رخصتوں کی پیروی کے جائز ہونے کی طرف گئے ہیں۔(قاموس الفقہ :۲/۵۰۵-۵۱۲)

اگر تفردات اور نوادرات کو اپنے عمل کی بنیاد بنائے جوامت کے سواداعظم کی رائے کے خلاف ہوتو صحیح نہیں، ورنہ اگر کسی تنگی سے نکالنا ہوتو اسکی اجازت ہے، کتب فقہ میں اسکی بہت سی نظیریں ہیں۔

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں:امالو اختار المقلد من كل مذهب ماهو الاهون عليه والاخف له فقال ابواسحاق المروزی یفسق وقیل ابن ابی هريرة لايفسق ،وفی السنن للبيهقی عن الاوزاعی: من اخذ بنوادر العلماء خرج عن الاسلام .

وقال الامام احمد ابن حنبل: لوان رجلا عمل بقول اهل الكوفة واهل المدينة فی السماع واهل مكة فی المتعة كان فاسقا.

(ارشاد الفحول :۳/۲۴۰)

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ولا ريب ان التزام المذاهب والخروج عنها ان كان لغير دينی مثل ان يلتزم مذهبا لوصول غرض دنيوی من مال اوجاه ونحو ذلک فهذا مما لا يحمد عليه بل يذم عليه فی نفس الامر ولو كان ماانتقل اليه خير مما انتقل عنه وهو بمنزلة من يسلم لا يسلم الا لغرض دنيوی او يهاجر من مكة الی المدينة لامرأة يتزوجها اودينا يصيبها .

(الفتاوی الکبری : ج/۲،ص/۲۳۸)

علامہ حافظ ابن حجر مکیؒ الفتاوی الحدیثیه میں فرماتے ہیں:

(مطلب : من قلد غير إمام)

وسئل نفع الله به : هل لمقلد الشافعى رضى الله عنه مثلا أن يقلد غيره بعد العمل وقبله مع تتبع الرخص أولا ، وقد صرّح الآمدى وابن الحاجب بامتناعه بعد العمل اتفاقا؟

فأجاب بقوله : لمقلد غير إمامه أحوال ذكرها السبكى أخذا من كلامهم :

أحدها : أن يعتقد رجحان مذهب الغير فى تلك المسئلة فيجوز اتباعا للراجح فى ظنه .

الثانية : أن يعتقد رجحان مذهب إمامه أولا يعتقد رجحان واحد منهما فيجوز أيضا سواء قصد الاحتياط لدينه مثلا كالحيلة إذا قصد بها التخلص من الربا كبيع الجمع بالدراهم وشراء الخبيث بها ، ولا كراهة حينئذ بخلاف الحيلة على غير هذا الوجه فإنها مكروهة .

الثالثة : أن يقصد بتقليده الرخصة فيما دعت حاجته إليه فيجوز أيضا إلاأن يكون يعتقد رجحان مذهب إمامه وأنه يجب تقليد الأعلم .

الرابعة : أن يقصد مجرد الترخص من غير أن يغلب على ظنه رجحانه فيمتنع كما قاله السبكى . قال : لأنه حينئذ متبع لهواه لا للدين .

الخامسة : أن يكثر منه ذلك بحيث يصير متتبعا للرخص بأن يأخذ من كل مذهب بالأسهل منه ، فيمتنع أيضا لأنه يشعر بانحلال ربقة التكليف.

السادس : أن يجتمع من ذلک حقيقة مركبة ممتنعة بالإجماع فيمتنع كأن يقلد شافعي مالكا فی طهارة الكلب ويمسح بعض رأسه لأن صلاته حينئذ لايقول بها مالک لعدم مسح كل الرأس ولاالشافعی لنجاسة الكلب؛ وزعم الكمال ابن الهمام جواز نحو ذلک ضعيف وإن برهن عليه .

السابعة : أن يعمل بتقليده الأول ويستمر على آثاره ثم يريد أن يقلدغير إمامه مع بقاء تلک الآثار کحنفی أخذ بشفعة الجوار عملا بمذهبه ثم تستحق عليه فيريد العمل بمذهب الشافعی فلا يجوز لتحقيق خطئه إمافی الأول او الثانی مع أنه شخص واحد مكلف.(الفتاویٰ الحديثية لابن الحجر المکی: ص/١١٣، ١١٤)

علامہ ابن حجر مکیؒ اپنے امام کے مذہب کے علاوہ کی تقلید کرنے والے کے مختلف احوال ذکر کرتے ہیں:

(١) مذہب غیر کے رجحان کا اعتقاد ہو (اس مسئلہ میں) تو اسکے گمان میں جو راجح ہے اسکی اتباع جائز ہے۔

(٢) اپنے مذہب کے امام کے رجحان کا اعتقاد ہو یا دونوں میں سے کسی کے رجحان کا اعتقاد نہ ہو تو بھی اپنے دین میں احتیاط کے پیش نظر جائز ہے۔ جیسے حیلہ کے ذریعہ سود سے بچنے کا قصد ہو۔اس وقت کراہت نہیں ہے۔اس وجہ کے علاوہ سے حیلہ کرنا، پس وہ مکروہ ہے۔

(٣) اسکی حاجت کیلئے بطور رخصت کے تقلید کرنا وہ بھی جائز ہے مگر یہ کہ اپنے امام کے مذہب کے راجح ہونے کا اعتقاد ہو، اور یہ کہ اعلم کی تقلید واجب ہے۔

(٤) صرف رخصت کا قصد کرے، بغیر اس دلیل کے راجح ہونے کے اس سے روکا

جائے گا جیسے کہ علامہ سبکیؒ نے فرمایا کیونکہ وہ اسوقت اپنی خواہشات کا تابع ہوا نہ کہ دین کا۔

(۵) کثرت سے وہ رخصت کا ہی متلاشی ہو، اس طور پر کہ ہر مذہب سے اسہل قول کو ہی اپنائے، اس سے بھی روکا جائے گا کیونکہ یہ تکلیف کی رسی کو گردن سے اتارنا معلوم ہوتا ہے۔

(۶) اس کے ساتھ ہر مذہب سے ایسے مسائل کو جمع کرے جو بالا جماع ممتنع ہوں تو اس سے بھی روکا جائیگا۔ جیسے کوئی شافعیؒ کتے کی پاکی میں امام کی تقلید کرے اور بعض سر کا مسح کرے۔ کیونکہ اسوقت اسکی نماز بعض سر کے مسح کی وجہ سے مالکیہ کے یہاں اور کتے کی نجاست کی وجہ سے شافعیہ کے یہاں بھی صحیح نہیں ہوگی۔ (علامہ ابن ہمامؒ نے نماز کے جواز کا دعوی کیا ہے، وہ ضعیف ہے اگر چہ اس پر دلیل قائم کی ہے۔)

(۷) اولاً ایک مسلک پر عمل کرے اور اسی پر باقی رہے پھر ایک مدت کے بعد دوسرے امام کی پیروی کرے ان ہی مسائل پر باقی رہتے ہوئے مثلاً حنفی نے کوئی مکان یا جائداد شفعہ کے جواز کی وجہ سے لی، پھر اس پر کوئی مستحق نکل آیا، اب وہ مذہب شافعی پر عمل کرنا چاہے تو اب جائز نہیں ہے، اسکی خطاء کے ثابت ہونے کی وجہ سے مذہب اول میں یا مذہب ثانی میں، باوجود کہ وہ ایک ہی مکلّف شخص ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ: ص ۱۱۳-۱۱۴)

افتاء بمذهب الغیر کے لئے مفتی کے شرائط:

ضرورت شرعی کی تعیین اور تعین کرنے والے کے کیا اوصاف ہونے چاہئے؟ اسکو مولانا رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ میں بیان فرماتے ہیں:

(۱) ضرورت شرعی سے مراد وہ ضرورت ہے جسے علماء راسخین فی العلم جو کہ تقویٰ وطہارت کی صفات عالیہ سے متصف ہوں وہ ضرورت قرار دیں، اگر وہ واقعی ضرورۃ سمجھیں کہ اس وقت مذہب غیر پر عمل کئے بغیر چارہ نہیں ہے تو وہ ضرورت شرعی سمجھی جائے گی، اور اس وقت

مذہب غیر پر بقدر ضرورت عمل جائز ہوگا۔ضرورت کی تعیین ہر مسئلہ اور واقعہ میں الگ ہوگی اورعوام تو عوام ہی ہے؛ عام علماء کوبھی اسکی تعیین کی اجازت نہیں، اسکا فیصلہ صرف راسخین فی العلم متقی علماء ہی کر سکتے ہیں جو شاذ ونادر ہیں ،اسکی واضح مثال مسئلہ مفقود ہے کہ علماء نے جب مذہب مالکیہ پرفتویٰ دینے کی ضرورت محسوس کی تو اس کا فتویٰ صادر فرمایا لیکن اس میں احتیاط کے تمام پہلو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا گیا۔(احسن الفتاویٰ: ج ۱/ص ۴۲۰)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: اورضرورت وہی معتبر ہے جسکو علماء اہل بصیرت ضرورت سمجھیں ، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاذ سے فن حاصل کیا ہواور اہل بصیرت اسکو فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پرشہادت دیتے ہوں، **كما قال الشامی فی شرح عقود رسم المفتی: فان المتقدمين شرطوا فی المفتی الاجتهاد وهذا مفقود فی زماننا فلا اقل من اَنُ يشترط فيه معرفة المسائل بشروطها وقيودها التی كثيراً ما يسقطونها ولا يصرحون بها اعتمادا علیٰ فهم المتفقه وكذا لا بد من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخريج فی ذلک علی استاذ ماهر الخ. .** ص/ ۴۶. اوراس زمانۂ پرفتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا یعنی کسی ایک شخص میں دین کامل اورمہارت تامہ کا اجتماع نایاب ہے، اس لئے اس زمانہ میں اطمینان کی یہی صورت ہوسکتی ہے کہ کم ازکم دوچار محقق علماء دین کے کسی امر میں ضرورت کوتسلیم کرکے مذہب غیر پرفتویٰ دیں، بدون اسکے اس میں اقوال ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے ،تواس کالازمی نتیجہ ہدم مذہب ہے **كما لا يخفی.**

(الحیلۃ الناجزہ:ص/۴۶)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: اوراس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب تک محقق

ومتدین علماء کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہویٰ کی بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو۔ (الحیلۃ الناجزۃ: ص/۴۶)

علامہ آمدیؒ فرماتے ہیں: من ليس بمجتهد هل تجوز له الفتوى بمذهب غيره من المجتهدين كما هو المختار في زماننا هذا؛ اختلفوا فيه، فذهب ابو حسين البصرى وجماعة من الاصوليين الى المنع من ذلك لانه انما يسئل عما عنده ولانه لو جازت الفتوىٰ بطريق الحكاية عن مذهب الغير لجاز ذلك للعامى وهو محال مخالف للاجماع، ومنهم من جوزه إذا ثبت ذلك عنده من يوثق بقوله، والمختار انه اذكان مجتهدًا فى المذهب بحيث يكون مطلعا على مأخذ المجتهد المطلق الذى يقلده وهو قادر على التفريع على قواعد امامه واقواله متمكن من الفرق والجمع والنظر والمناظرة فى ذلك كان له الفتوىٰ تميزاً له على العامى، دليله انقطاع الاجماع من اهل كل عصر على قبول مثل هذا النوع من الفتوىٰ وان لم يكن كذلك فلا. (الاحكام للآمدى: ج/۴، ص/۳۱۵)

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: وقال ابو محمد: لايجوز ان يفتى بمذهب غيره اذا لم يكن متبحرا فيه عالمًا بغوامضه وحقائقه كمالا يجوز للعامى الذى جمع فتاوى المفتيين ان يفتى بها واذا كان متبحرًا فيه جاز ان يفتى به.

اذا سئل المجتهد عن الحكم لم يجز له ان يفتى بمذهب غيره لانه

انـمـا سـئل عما عنده فان سئل عن مذهب غيره جاز له ان يحكيه لان العامی یجوز له حکایة قول غیره ولا یجوز له ان یفتی بما یجده فی کتب الفقهاء ولا بما یفتیه فیه فقیه وهٰذا قول ابی الخطاب .

قـال :الـمـفتی المنتسب الی مذهب امام هل له ان یفتی بمذهب آخر؟ ان کـان ذا اجتهـاد فـاداه اجتهاده الی مذهب امام آخر اتبع اجتهاده وان کان اجتهـاده مشـوب بشی من التقلید نقل ذٰلک الشوب (من التقلید)الی ذلک الامـام الـذی ادّاه اجتهـاده الیـه ثـم اذا افتی بین ذلک فی فتواه وذکر العمل بـمثل ذلک القفال والمروزی والحلوانی انه انکر مثل ذلک علی الغزالی. (الـمسـوده فـی اصـول الـفـقـه لابن تیمیة :ص/۴۷۸،۴۸۵،۴۸۶ تیسیـر التـحـریـر امیـر بـادشـاه : ج/۴،ص/۲۴۹،الـموافـقـات لـلشـاطبی : ج/۴،ص/۱۵۰)

علامہ آمدیؒ مفتی کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واما الـمـفتـی فلا بد ان یکون من اهل الاجتهاد،وان یکون مع ذالک عارفًا بالادلة السمعیة وانواعها واختلاف مراتبها فی جهات دلالاتها والناسخ والـمـنسـوخ والـمتعارضات وجهات الترجیح فیها وکیفیة استثمار الاحکام مـنهـا ، وان یـکون عدلا ثقة حتیٰ یوثق به فیها یخبرعنه من الاحکام الشرعیة، ویستـحـب لـه ان یـکـون قـاصـدًا لـلارشاد وهدایة العامة الی معرفة الاحکام الشـریـعة لابجهة الریاء والسمعة، متصفاً بالسکینة والوقار لیرغب المستمع فـی قبـول مـایـقـول، کـافًـا نـفسـه عما فی ایدی الناس حذرا من التنفیر عنه.

(الإحکام فی اصول الأحکام : ۲۹۸/۴)

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

قال ابن السمعانی: المفتی من استکمل فیه ثلاث شرائط؛ الاجتهاد والعدالة والکف عن الترخیص والتساهل.(ارشاد الفحول : ۲۳۸/۳)

ارباب افتاء سے رجوع :-

اس پرفتن دور میں جبکہ تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا فقدان ہے قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ وائمہ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید مسائل اور پیش آمدہ غیر منصوص صورتوں کو حل کرنے کیلئے اجماعی وشورائی طریقہ ہی اپنایا جائے۔

آیت کریمہ وشاورهم فی الامر کے ماتحت امام رازیؒ فرماتے ہیں:

وهذا کان مامورًا بالاجتهاد فلهذا کان مأمورا بالمشاورة، وقد شاورهم یوم بدر فی الاساریٰ وکان من امور الدین. (تفسیر کبیر :۶۹/۴)

بعض روایت میں ہے : فقد اخرج ابن جریر عنه انه قال: امر الله نبیه ان یشاور اصحابه فی الامور وهو یاتیه وحی السماء.(روح المعانی :۱۰۶/۴)

قرآن کریم نے مؤمنین کے اوصاف میں سے وامر هم شوری بینهم فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بالترتیب مرتدین سے قتال، دادا کی میراث اور شراب کی سزا کے بارے میں صحابۂ کرام نے اجتماعی طریقہ سے مسائل حل فرمائے۔

اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجاوے جو قرآن وسنت سے معلوم نہ ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا :اجمعوا له العالمین اوقال العابدین من المؤمنین فاجعلوه شوریٰ بینکم ولا

تَقضوا فيه برَأيِ واحد .(اعلام الموقعين : ج/ ا ،ص/ ٦۵)

طبرانی میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

اما الصحابة فكانوا يتشاورون فى الاحكام ويستنبطونها من الكتاب والسنة واول ماتشاور فيه الصحابة الخلاف وتشاوروا فى اهل الردة :

(قرطبی : ج/ ١٦ ،ص/ ٣٧)

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

كان وقعت بينهم واقعة اجتمعوا وتشاوروا فاثنى الله عليهم اى لا ينفردون برأى بل مالم يجتمعوا عليه لا يقدمون عليه.

(تفسیر کبیر : ج/ ٢٧ ،ص/ ١٧٧)

صحابۂ کرام کی طرح حضرات تابعین بھی مشورہ اوراجتماعی طریقہ سے مسائل حل کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں فقہاء کرام کی جماعت موجود تھی جنکو فقہاء اہل مدینہ کہا جاتا تھا، جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو یہ سب ملکر غور وخوض کر کے فیصلہ فرماتے ،انکی تحقیق کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ نہ کرتا تھا۔(تهذيب التهذيب : ٣/ ٤٢٧)

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں تو مشہور ہے کہ آپنے مذہب حنفی کو شورائی طریقہ سے ہی مدون فرمایا، بحرالرائق میں ہے ،ولولم يجدمن المتأخرين مجتهدا برأيه اذا كان يعرف وجوه الفقه ويشاور اهله . (كتاب القضا: ٦/ ٢٦٨)

فتاوی عالمگیری بھی اسی شورائی محنت وکاوش کا ثمرہ ہے ،حضرت تھانویؒ نے اپنے

شاگردوں اور علماء کرام سے مشورہ کر کے مسائل کا استنباط فرمایا۔

ماضی قریب میں جمعیۃ العلماء کے زیر نگرانی اللجنة الفقهية قائم ہوئی تھی جس کے لئے اجلاس منعقد ہوئے، حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے مشورہ سے بعض مسائل میں تحقیق بھی ہوئی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب، مولانا یوسف بنوریؒ اور دیگر علماء کرام نے ملکر مجلس شوری منعقد کی تھی، سعودیہ میں بھی مجلس هيئة كبار العلماء اجتماعی مسائل کے حل کیلئے قائم ہے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس تحقیقات ونشریات نے بھی کئی مسائل حل کئے ہیں، فقہ اکیڈمی، دہلی، جدہ، مکہ مکرمہ اور ادارۃ المباحث الفقهية بھی الحمدللہ وقت کے اہم اور ضروری مسائل کو شورائی طریقہ سے حل کرنے کیلئے قائم ہوئی ہیں۔

تلفیق : لغوی معنیٰ لفقت الثوب الفقته لفقا وهو ان تضم شقة الى اخرى فتخيطهما یعنی کپڑے کے ایک کنارہ کو دوسرے کنارہ کے ساتھ ملا کر سی دینا۔ ولفق الشقين يلفقهما لفقا ضم احدهما الى الآخرى فخاطهما و التلفيق اعم.

(لسان العرب : ج/۱۰، ص/۳۳۱)

التلفيق فى الثياب مبالغة فى اللفق، قلت: ومنه اخذ التلفيق فى المسائل. (تاج العروس:۷/۶۲)

الفواعد الفقهيه میں ہے: هو تتبع الرخص عن الهوى .(ص: ۲۳۶)

اصطلاحی تعریف: القيام بعمل يجمع فيه بين عدة مذاهب حتىٰ لا يمكن اعتبار هذا العمل صحيحًا فى اى مذهب من المذاهب ایک عمل میں دو مسئلوں میں دو مختلف فقہاء کی رائے کو اس طرح قبول کرنا ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ عمل ان میں سے کسی کے نزدیک بھی درست قرار نہ پائے۔ (معجم لغة الفقهاء : ۱۴۴) اگر دو علیحدہ مسئلوں میں

مختلف فقہاء کی رائے پر عمل کیا جاوے تو وہ دونوں ایک دوسرے سے منسلک اور وابستہ ہوں اسکا شمار تلفیق میں نہ ہوگا۔ مثلاً فقہ شافعیؒ کے اصول پر کپڑے پاک کئے اور فقہ حنفی کی رعایت کرتے ہوئے نماز اداء کی تو کپڑے کی پاکی فقہ حنفی میں اور نماز کی صحت فقہ شافعی میں تسلیم شدہ نہ ہو، پھر بھی یہ عدول درست ہوگا۔

الممنوع ان یرتکب حقیقة ممتنعة فی مسئلة واحدة لا فی مسئلتین کما اذا طهر الثوب بمذهب الشافعی وصلی بمذهب ابی حنیفة.

(عقد الجید : ص/ ٦٢)

ایک ہی مسئلہ میں دو الگ الگ مواقع پر مختلف فقہاء کی تقلید کی تب بھی کچھ مضائقہ نہیں، مثلاً ایک دن ایک فقہ کے مطابق نماز ادا کی، دوسرے دن دوسرے فقہ کے مطابق۔ (شامی :ج/١،ص/٥٦)

درمختار میں ہے: **وان الحکم الملفق باطل بالاجماع.** علامہ شامیؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

المراد بالحکم الحکم الوضعی کالصحة مثاله متوضی سال من بدنه دم لمس امرأة ثم صلی فان صحة هٰذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحته منتفیة. (وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقًا)

خرج بذلک المحقق ابن الهمام فی تحریره ومثله فی اصول الآمدی وابن الحاجب وجمع الجوامع وهو محمول کما قال ابن حجر والرملی فی شرحیها علی المنهاج وابن قاسم فی حاشیته علی ما اذا بقی من آثار الفعل

السابق اثر يؤدی الی تلفيق العمل بشیٔ لا يقول به كل من المذهبين كتقليد الشافعی فی مسح بعض الرأس ومالک فی طهارة الكلب فی صلاة واحدة وكما لوافتیٰ ببينونة زوجته بطلاقها مكرها ثم نكح اختها مقلدا للحنفی بطلاق المكره ثم افتاه شافعی بعدم الحنث فيمتنع عليه ان يطأ الأولی مقلدا للشافعی والثانية مقلدا للحنفی او هو محمول علی منع التقليد فی تلک الحادثة بعينها لا مثلها كما صرح به الامام السبكی وتبعه عليه جماعة وذلک كما لو صلی طهرًا بمسح ربع الرأس مقلداللحنفی فليس له ابطالها باعتباره لزوم مسح الكل مقلدًا للمالكی .

(شامی : ج/ ۱ ،ص/ ۵۶)

درمختار میں ہے:

’’تلفیق شدہ حکم اجماع کی بنیاد پر باطل ہے، اور عمل کے بعد تقلید سے رجوع کرنا بھی بالاتفاق باطل ہے اور یہ پسندیدہ مذہب ہے، اور اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ سرے سے نافذ نہ ہوگا، جیسا کہ ’’قنیہ‘‘ میں مذکور ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار ا/۷۵)

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک باوضو شخص کے بدن سے خون بہہ پڑا اور اس نے کسی عورت کو چھودیا، پھر نماز پڑھی تو اب اس نماز کو درست قرار دینا شافعی اور حنفی مذہب سے مرکب ہے اور تلفیق باطل ہے، لہٰذا نماز بھی صحیح نہیں ہوگی‘‘۔ (ردالمختار ا/۷۵)۔

علامہ ابن عابدین ’’حاشیہ ردالمحتار‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’**قوله وانه الرجوع عن التقليد**‘‘ محقق ابن ہمام نے اپنی کتاب ’’**التحرير**‘‘ میں اس کی تصریح کی ہے کہ آمدی اور ابن حاجب کے ’’جمع الجوامع‘‘ میں ایسا ہی ہے اور جیسا کہ

ابن حجراور رملی نے منہاج کی شرح میں اور ابن القاسم نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے، اور اس کی رو سے یہ اس صورت پر محمول ہوگا، جب کہ فعل سابق کا کوئی ایسا اثر باقی رہے جو تلفیق عمل کی اس صورت تک پہونچا دے جس کا دونوں مذہب میں سے کوئی قائل نہ ہو، مثلاً: ایک ہی نماز میں سر کے بعض حصہ میں مسح کرنے میں امام شافعیؒ کی تقلید کرنا اور کتے کے پاک ہونے میں امام مالکؒ کی تقلید کرنا، اسی طرح اگر کسی مکرہ شخص نے مجبوراً اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور مذہب حنفی کی بنیاد پر اس کی بیوی کی جدائی کا فتویٰ دیا گیا، پھر اس نے مذہب حنفی کی رو سے اپنی مطلقہ کی بہن سے نکاح کرلیا، پھر کسی شافعی نے اسے طلاق کے عدم وقوع کا فتوی دیا تو اس کے لئے جائز نہ ہوگا کہ مذہب شافعی کی پیروی کرتے ہوئے پہلی بیوی سے وطی کرے، اور مذہب حنفی کی پیروی کرتے ہوئے پہلی بیوی سے وطی کرے، اسے بعینہٖ اسی واقعہ میں تقلید کے ممنوع ہونے پر محمول کیا جائے گا، نہ کہ اس جیسے دوسرے مسائل میں، جیسا کہ امام سبکی نے اس کی تصریح کی ہے اور ایک جماعت نے اس سلسلہ میں ان کی اتباع کی ہے، لیکن بایں ہمہ اتفاق کا دعوی محل نظر ہے، کیوں کہ اس سلسلہ میں اختلاف منقول ہے، تو حاصل وہی ہوا جس کا میں نے پہلے تذکرہ کیا، یعنی یہ کہ انسان پر کسی متعین مذہب کی اتباع لازم نہیں ہے، اور یہ کہ ایک انسان نے اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے جو عمل کیا ہے اس کے مخالف قول پر عمل کرنا کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے، اور ایسے دو حادثوں میں جن میں سے ایک کا دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، دو متضاد قول پر عمل کرسکتا ہے اور دوسرے امام کی تقلید کرنے کی صورت میں اس نے جو عمل کیا ہے بعینہٖ اسے باطل کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

(ردالمحتار ۱/۷۵)۔

عبادات میں اس کی مثال اعضاء وضو کو ملے بغیر دھوئے اور کہے کہ شوافع کی رائے پر عمل

کرر ہا ہے اور عورت کو بلاشہوت چھوئے اور وضو نہ کر کے مالکیہ کی رائے اختیار کرتا ہے تو اب بحیثیت مجموعی اسکا وضو نہ مالکیہ کے یہاں درست ہوا نہ شوافع کے یہاں باقی رہا۔

اگر بغیر ولی کے، بغیر گواہ کے اور بغیر مہر کے نکاح کرتا ہے اور ہر مسئلہ میں اس فقیہ کی رائے قبول کرتا ہے جسکی رو سے اسکا نکاح درست ہو جائے تو یہ تلفیق ہے۔

تلفیق کے مانعین یہ فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ سے خلاف اجماع کی نوبت آتی ہے، مثلا اگر کوئی قئے کر کے عورت کو چھوئے اور قے کے مسئلہ میں شوافع کی اور مس مرأۃ میں احناف کی اتباع کر کے اپنا وضو درست مانے گا، حالانکہ دونوں اماموں کے نزدیک بالاجماع اسکا وضو ٹوٹ گیا ہے۔

علامہ شامی کا قول ماقبل میں گذر چکا (وان الحکم الملفق باطل بالاجماع) لیکن ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے شامی کی تنقید حامدیہ سے شیخ طرطوسی اور ابوالسعود کے بارے میں جواز کا قول نقل کیا ہے، ابن نجیمؒ نے بھی بیع الوقف میں جائز لکھا ہے، بزازیہ میں بھی تلفیق کو جائز قرار دیا ہے۔

مجوزین کی رائے یہ ہے کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ یہ ایسا فارق ہے کہ حکم کے باطل ہونے کا باعث ہوگا اور اسے کیوں کر تسلیم کر لیا جائے، جبکہ بعض شرطوں میں مخالفت تمام شرائط میں مخالفت سے کمتر ہے، لہذا اس کمتر مخالفت کی صورت میں بدرجۂ اولی اس عمل کے درست ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اور جس کا دعویٰ ہے کہ کوئی وجہ فرق یا کوئی اور دلیل پہلی صورت کے برخلاف تلفیق کے باطل ہونے پر موجود ہے تو اسے دلیل پیش کرنی چاہئے۔

علامہ عبدالرحمٰن الشربینی جمع الجوامع کی شرح میں فرماتے ہیں:

فیؤخذ من مجموع ماذکرناہ جواز التقلید وجواز تتبع الرخص علی

الاطلاق بل لابد من مراعاة مااعتبره المجتهد فی المسئلة التی وقع التقلید فیها بما یتوقف علیه صحتها کی لا یقع فی حکم مرکب من اجتهادین کما إذا توضأومسح بعض الرأس علی مذهب الشافعی ثم صلی بعد لمس مجرد عن الشهوة عند مالک علی عدم النقص وهذا عمل من منع التلفیق فی التقلید فان معناه فی اجزاء الحکم لا جزأیات المسائل فانه جائز کما نقلناه .(تقریر الشربیتی علی جمع الجوامع :ص/ ۴۴۰)

سلم الوصول میں ہے: والحق فی مسئلة التلفیق انها کمسئلة احداث قول ثالث فیما اذا اختلفوا علی قولین فقط فکما ان الحق کما سلف ان المجتهد لا یجوز ان یحدث قولاً ثالثاً إذا خرق اجماع المجتهدین فی عصر(سلم الوصول شرح نهایة السول: ۶۲۹/۲)

الحلیۃ الناجزہ کے حوالے سے گذر چکا کہ ہمارے نزدیک ان اقوال مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہواور دو عمل جداگانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے گو ظاہرا خلاف اجماع لازم آتا ہے مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضوکرلے تو شافعیہ کے نزدیک وضوصحیح نہیں اور کوئی شخص ربع رأس سے کم مسح کرلے تو حنفیہ کے نزدیک وضونہیں ہوتا۔پس اگر کوئی شخص اسطرح وضوکرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہواور مسح کرے ربع رأس سے کم کا،تو کسی کے نزدیک بھی وضونہیں ہوا۔اور یہ تلفیق خارق اجماع ہے،اور کسی نے وضومیں چوتھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضوشافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پرمگر وضوجداگانہ عمل ہے اور نماز جدااس واسطے یہ تلفیق منع نہیں۔

علامہ عبدالغنی النابلسی تلفیق پر تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومتی عمل عبادة او معاملة ملفقة اخذ لها من کل مذهب قولاً لایقول به صاحب المذهب الآخر فقد خرج عن المذاهب الاربعة واخترع له مذهبًا خامساً فعبادته باطلة ومعاملته غیر صحیحة وهو متلاعب فی الدین وغیر عامل بمذهب من مذاهب المجتهدین .

(خلاصة التحقیق فی حکم التقلید والتلفیق : ص/۱۷)

شیخ مرعی ابن یوسف کرمی حنبلی فرماتے ہیں:

''واضح رہے کہ بہت سے علماء ایسی تقلید کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں متعدد مذاہب کی تلفیق لازم آئے، کیونکہ اس صورت کو دونوں مذاہب یا تمام مذاہب باطل قرار دیتے ہیں، مثلا: ایک شخص نے وضو کیا اور امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہوئے سر کے ایک بال پر مسح کیا، پھر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے ہوئے مس ذکر کیا اس صورت میں تقلید صحیح نہیں ہے، اسی طرح اگر ایک شخص نے وضو میں ایک بال پر مسح کیا اور ائمہ ثلثہ کی تقلید کرتے ہوئے قرأت خلف الامام کو چھوڑ دیا، یا ائمہ ثلاثہ کی مخالفت کرتے ہوئے پچھنا لگایا اور ان کی تقلید کرتے ہوئے قرأت خلف الامام نہیں کیا، یہ اگر چہ عقلی اعتبار سے ظاہر ہے اور اس کی علت بھی واضح ہے، لیکن اس میں مسلمانوں پر حرج اور مشقت ہے، خاص کر ان عوام پر جن کے بارے میں علماء نے تصریح کی ہے کہ انکے لئے کوئی معین مذہب نہیں ہے، اور بہت سے علماء نے کہا ہے کہ عوام کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کسی متعین مذہب کو اختیار کریں، جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں یہ لازم نہیں تھا۔

لیکن میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ تقلید میں تلفیق جائز ہے، بشرطیہ کہ وہ تتبع

رخص کے ارادہ سے نہ ہو، کیونکہ جو شخص رخصتوں کو تلاش کرتا پھرے اسے فاسق قرار دیا جائے گا ،لیکن اگر اتفاقی طور پر ایسی صورت پیش آ جائے تو وہ ممنوع نہیں ہے، خاص طور پر ان عوام سے جن کے لئے اس سے احتراز مشکل ہے، تو اگر کسی شخص نے وضو کیا اور امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہوئے سر کے کسی حصہ کا مسح کیا تو اس کا وضو بغیر کسی شک کے صحیح ہے، پھر اگر اس نے مس ذکر کیا اور امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کی تو یہ جائز ہے، کیونکہ اس مقلد کا وضو بالاتفاق صحیح ہے کیونکہ مس ذکر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے، لہذا جب اس نے امام ابو حنیفہؒ کی تقلید اس وضو کے نہ ٹوٹنے میں کی جو امام شافعیؒ کے نزدیک صحیح ہے تو امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرنے کی وجہ سے اس کا وضو اپنے حال پر باقی رہا اور یہ تقلید کا فائدہ ہے اور اس وقت یہ نہیں کہا جائے گا کہ امام شافعیؒ مس ذکر کی وجہ سے اس وضو کو باطل کہتے ہیں، اور امام ابو حنیفہؒ چوتھائی سر کا مسح نہ کرنے کی وجہ سے اسے باطل کہتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں الگ الگ مسئلے ہیں، کیونکہ امام شافعیؒ کی تقلید کی رو سے اس وضو کی تکمیل صحیح ہوتی ہے اور مس ذکر کے بعد (جو وضو مکمل ہونے کے بعد پیش آیا) حنفیہ کی تقلید کی رو سے صحیح رہے گا ابو حنیفہؒ کی تقلید صحت وضو کے برقرار رہنے میں ہے نہ کہ ابتدائے صحت میں "۔(عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق ،للسعيد الباني :ص/۱۰۰، بحواله مباحث الفقهيه :ص/۱۹۳)

علامہ سفارینی حنبلی نے اپنے استاذ شیخ علامہ حنبلی کی رائے پر سخت تنقید کی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

"اس مسئلہ میں میری رائے یہ ہے اور میں مشائخ کے مقرر کردہ اصول پر اعتماد کرتے ہوئے کہتا ہوں اور عقل و نقل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ شیخ کی بات سرے سے باطل ہے،

کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد اور خطرات ہیں اور اگر اس دروازہ کو کھول دیا جائے تو اس سے شریعت کا فساد اور اکثر محرمات کا حلال کرنا لازم آئے گا، اور اس دروازے سے زیادہ خطرناک اور کون سا دروازہ ہوگا، جو زنا اور شرب خمر وغیرہ کو جائز کردے، اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ اس میں زنا کے مباح ہونے کی کیا صورت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک مرد کسی ایسی عورت کو مہر کے طور پر کوئی رقم دے جس کا نہ کوئی شوہر ہے نہ وہ عدت میں ہے، یا کسی عاقلہ بالغہ لڑکی کو مہر دے اور اسے اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے آمادہ کرے اور عورت اس کی بات قبول کرے تو شیخ کے مذکورہ قول کی بنیاد پر اس کا یہ فعل زنا صحیح قرار پائے گا، کیونکہ امام ابوحنیفہؒ عاقلہ بالغہ کے نکاح کی صحت کے لئے ولی کی شرط نہیں لگاتے تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کی رو سے اس لڑکی کی ولایت صحیح ہوئی، تو اس مسئلے میں وہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرے، اور امام مالکؒ نکاح کی صحت کے لئے گواہوں کی شرط نہیں لگاتے، جیسا کہ ان سے منقول ہے تو اس مسئلے میں امام مالکؒ کی تقلید کرے تو استاذ مرحوم کے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں اس مرد کے لئے یہ ممکن ہوا کہ وہ ایک عورت سے زنا کرے اور مجرم نہ ہو، کوئی صاحب عقل انسان اس کا قائل نہیں ہوسکتا، اگر آپ یہ کہیں کہ شیخ کے قول سے یہ لازم نہیں آتا تو میں کہوں گا کہ بغیر کسی نزاع کے بعینہٖ یہی صورت لازم آتی ہے، جو شخص اس میں جھگڑا کرے وہ لغو کام کرتا ہے۔

میرے بعض شیوخ کو تلفیق کے باطل ہونے میں توقف تھا (اللہ ان کو عزت بخشے) تو میں نے ان سے اس سلسلے میں بحث کی اور پھر جب میں نے ان کے سامنے یہ صورت پیش کی تو انہوں نے اپنے موقف سے رجوع کرلیا اور تلفیق کے باطل ہونے کے قائل ہوگئے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو ممنوع تک پہونچادے وہ بھی ممنوع ہے، اور ہر وہ قول جس سے حرام کو حلال کرنا لازم آئے وہ قابل رد ہے، اور شیخ (قدس سرہٗ) اگرچہ بڑی شان والے، کامل عقل والے

اور ذکاوت وذہانت میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن کبھی تیز رفتار گھوڑا بھی ٹھوکر کھا کر گرجاتا ہے، اوراس امت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حق کے معاملے میں چھوٹا بڑے کی رعایت نہیں کرتا ہے"۔(عمدۃ التحقیق فی التقلید والتلفیق ،۱۰۱،۱۰۲،مباحث فقھیہ:۱۹۴)

علامہ شعرانی نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ جو شخص ایک مذہب پر کچھ دن عمل کر کے پھر دوسرے مذہب کو اختیار کرے، پھر تیسرے کو تو اسکی مثال اس مسافر جیسی ہے جو کسی دور کی متعین جگہ کے ارادے سے نکلا ہو پھر جب کچھ میل چلا ہو تو اسکے خیال میں آیا کہ اگر دوسرے راستہ سے چلوں تو شاید وہ پہلے راستے کے مقابلے میں منزل مقصود سے قریب ہو، لہذا اسی دوسرے راستے پر گامزن ہو، پھر آگے جا کر اسکے دل میں تیسرے راستہ کا خیال آیا چنانچہ اسی راہ پر چلنے لگا اس طرح وہ اپنے مقصود پر کبھی بھی پہنچ نہیں سکے گا، اسی طرح یہ مذاہب کو بدلنے والا بھی کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اسی طرح یہ انتقال مذہبی سابق امام کے حق میں نقض وقدح بھی ہوگا۔(کتاب المیزان: ج/۱ص/۳۵)

ص/۳۵ پر فرماتے ہیں: حنفیہ میں سے جامع الفتاوی کے مصنف فرماتے ہیں کہ حنفی کے لئے شافعی اور شافعی کے لئے حنفی مذہب اختیار کرنا جائز ہے لیکن کلی طور پر ہونا چاہئے، کسی ایک مسئلہ میں نہیں، **کما لو خرج دم من بدن حنفی وسال فلا یجوز له ان یصلی قبل ان یغسله اقتداء بمذهب الشافعی فی هذه المسئلة فان صلی بطلت صلاته .(کتاب المیزان : ۱/۳۵)**

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: میرے نزدیک عامی کو افضل کی اتباع کرنی ضروری ہے، مثلاً جس آدمی کو امام شافعیؒ کی افضلیت واعلمیت اور درستگی کا اعتقاد ہو تو اسکو اپنی خواہشات کیلئے دوسرا مذہب اختیار نہ کرنا چاہئے اور نہ ہر مذہب کی سہولت والی چیزوں کو لینے کا اختیار ہے۔

ولیس للعامی ان ینتقی من المذاهب فی کل مسئلة اطیبها عنده فیتوسع
.(المستصفی : ج/۲،ص/۲۹۱)

ابن امیر الحاج فرماتے ہیں:

(وقیدہ)ای تقلید جواز غیرہ (متأخر) وھو العلامة القرافی (بان لایترتب علیه) ای تقلید غیرہ (ما یمنعانه)ای یجتمع علی بطلانه کلاھما (فمن قلد الشافعی فی عدم)فرضیة (الدلک)للاعضاء المغسولة فی الوضوء والغسل (ومالکا فی عدم نقض اللمس بلاشھوة)للوضوء فیتوضأ ولمس بلاشھوة (وصلی ان کان الوضوء بذلک صحت)صلاته عند مالک (والا)ان کان بلا دلک (بطلت عندھما)ای مالک والشافعی. ماقبل میں اس کی تفصیل وتشریح گذر چکی۔(التقریر والتحبیر: ۳/۳۵۶)

امام رویانی نے تقلید اور انتقال مذاہب کی تین شرطیں بیان کی ہیں:

ان لا یجمع بینھما علی صورة تخالف الاجماع کمن تزوج بغیر صداق ولا ولی ولا شھود فان ھذه الصورة لم یقل لھا احدا، الثانی: وان یعتقد فیمن یقلده الفضل بوصول اخباره الیه، الثالث: ان لا یقلد وھو امیا فی عماته من دینه کأن یقلد فی الرخصة من غیر شرطھا وان لایتتبع رخص المذاھب ووافق ابن رقیق العبد الرویانی علی اشتراط ان لا یجتمع فی صورة یقع الاجماع علی بطلانھا وابدل الشرط الثالث بان لایکون ماقلد فیه مما ینقض فیه الحکم لووقع. واقتصر الشیخ عزالدین بن عبدالسلام علی اشتراط ھٰذا، وقال: وان کان المأخذان متقاربین جاز. والشرط الثانی

انشراح صدره للتقليد المذكور وعدم اعتقاده لكونه متلاعباً بالدين متساهلاً فيه ودليل هذا الشرط قوله ﷺ: والاثم ماحاك فى الصدر فهذا تصريح بان ماحاك فى النفس ففعله اثم (التقرير والتحبير: ۳/۳۵۳)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں:

وحاصل الكلام الذى تلخصناه من نفثات اولئك الاكابران اختيار مذهب الغير فى بعض المسائل والافتاء به يجوز للمجتهد فلا يجوز الابشروط، الاول: ان لايلزم التلفيق بين المذهبين بحيث يقع اجماع الامامين على بطلانه كما مرمن تحريرالاصول والاحكام والاسنوى وغيره. والثانى: ان يكون اختيارمذهب الغير قبل العمل بمذهب امامه بان لم يكن عمل به فى هٰذه الحادثة بمذهب امامه كما فى التحريروالاحكام وغيره .والثالث: ان لا يكون على وجه التتبع للرخص فانه لايجوز للعامى اجماعا كما صرح به ابن عبدالبر من انه لايجوز للعامى تتبع الرخص اجماعا (شرح تحرير :ص/ ۳۵۱، ج/۳)

قلت: هذا رأى المتقدمين من مشائخنا الحنفية حيث لم يشترطوا الضرورة الشديدة والاضطرار بل اكتفوا على اشتراط عدم تتبع الرخص واما زماننا هذا فهو زمان اتباع الهوىٰ واعجاب كل ذى رأى برأيه والتلاعب بالدين فتتبع الرخص متعين ومتيقن باعتبارالغالب الاكثر .فلا يجوز الابشرط الضرورة الشديدة وعموم البلوىٰ والاضطراركما ذكره العلامة ابن العابدين فى رسالته عقود رسم المفتى وقدمر منا نصه والله سبحانه وتعالى اعلم

وعلمه اتم واحكم.(جواهر الفقه : ۲/ ۱٦٦)

مفتی شفیع صاحبؒ سب کا خلاصہ نقل کرتے ہیں کہ مجتہد کیلئے بعض مسائل میں مذہب غیر اختیار کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے(۱) اسکا یہ عمل ایسی تلفیق کو لازم نہ ہو جس کے باطل ہونے پر دونوں اماموں کا اجماع ہو جیسا کہ تحریر الاصول، الاِحکام اور اسنوی وغیرہ کتب میں گذرا۔

(۲) مذہب غیر کا اختیار کرنا اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے سے پہلے ہو، اس طرح کہ اس حادثہ میں اپنے امام کے مذہب پر عمل ہی نہ کیا ہو۔

وفی غیر ماعمل به له ان یقلد غیره من المجتهدین.

(تیسیر التحریر : ۴/ ۲۵۴)

(۳) رخصت تلاش کرنے کے لئے نہ ہو کیونکہ عامی کیلئے بالاجماع اسطرح کرنا جائز نہیں ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ متقدمین مشائخ نے ضرورۃ شدیدہ اور عموم بلوی کی شرط نہیں لگائی ہے لیکن اس فساد اور تلاعب بالدین کے زمانہ میں اس شرط کا لحاظ کرنا ضروری ہے جیسے کہ علامہ شامیؒ نے ذکر کیا ہے۔(جواہر الفقہ :۱/۱٦٦)

ابن نجیم فرماتے ہیں:

ویمکن ان تؤخذ صحة الاستدلال من قول ابی یوسف وصحة البیع بغبن فاحش بقول ابی حنیفة بناء علی جواز التلفیق فی الحکم من قولین، قال فی الفتاوی البزازیه من کتاب الصلوٰة من فصل زلة القاری: ومن علماء خوارزم من اختار عدم الفساد بالخطأ فی القرأة اخذا بمذهب الامام الشافعی، فقیل له مذهبه فی غیر الفاتحة، فقال: اخترت من مذهبه الاطلاق وترکت القید

لـمـا تقرر في كلام محمد رحمه الله تعالى ان المجتهد يتبع الدليل لا القائل حتى صح القضاء بصحة النكاح بعبارة النساء على الغائب اهـ .

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

جہاں تک وقف کوغبن کے ساتھ بیچنے کا مسئلہ ہے، تو قاضی خان اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: اگر کسی نے وقف کی زمین کو ایسی قیمت پر بیچا جس میں غبن فاحش ہے، تو امام ابو یوسفؒ اور ہلال کی رائے یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ وقف کا متولی وکیل کی طرح ہے، لہٰذا اسے غبن فاحش کے ساتھ بیچنے کا اختیار نہیں ہے، اگر چہ امام ابوحنیفہؒ وقف کو استبدال کی شرط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں، لیکن وقف کے متولی کوغبن فاحش کے ساتھ بیچنے کی اجازت نہیں دیتے، جس طرح وکیل بالبیع کوغبن فاحش کے ساتھ بیچنے کا حق نہیں ہے، اور یہ ہوسکتا ہے کہ استبدال کی صحت کو امام ابو یوسفؒ کے قول سے لیا جائے اور غبن فاحش سے بیچنے کی صحت امام ابوحنیفہؒ کے قول سے، اور یہ اس بنا پر کہ ایک ہی مذہب کے دو قول سے تلفیق شدہ حکم جائز ہے، فتاویٰ بزازیہ کتاب الصلوٰۃ کے باب زلۃ القاری میں:

''علمائے خوارزم میں سے کچھ حضرات نے امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے قراءت میں غلطی ہونے سے نماز فاسد نہ ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے، باقو بھی جن کا مسلک سورۂ فاتحہ کے بغیر بھی نماز کے صحیح ہوجانے کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے احناف کے مسلک کو مطلق طور پر اختیار کیا کہ وہ نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کو فرض قرار نہیں دیتے، اور قید کو چھوڑ دیا کہ قراءت میں ایسی غلطی ہو کہ معنی میں تغیر فاحش ہوجائے تو ان کے نزدیک اس سے نماز فاسد جاتی ہے، اس قید کو چھوڑ دیا؛ کیونکہ محمد کے کلام سے یہ اصول ثابت ہے کہ مجتہد دلیل کی پیروی کرے گا نہ کہ قائل کی، یہاں تک کہ قاضی کا غائب کے خلاف عورتوں کے کلام سے نکاح کی

صحت کا فیصلہ کرنا صحیح ہوگا۔اور ابن ہمام کی ''التقریر'' میں جو یہ آیا ہے کہ تلفیق ممنوع ہے تو انہوں نے اس قول کا انتساب بعض متأخرین قضاۃ کی طرف کیا ہے، یہ مذہب خود ان کا نہیں ہے''۔(رسائل ابن نجیم ۲۳۹/۲۴،مباحث فقہیہ:۱۹۷)

علامہ عبدالغنی النابلسیؒ تلفیق کے جواز کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن نجیم کا فتویٰ قاضی خان کے حوالے سے شیخین کے قول سے تلفیق کے جواز پر استدلال کرنا وہ تو مذہب واحد ہی میں تلفیق ہوگی، کیونکہ دونوں قول (امام صاحب وامام ابو یوسف) کے اصول تو ایک ہی ہے۔

واما واقعة بعض علماء خوارزم فی تلفیقه المذکور فهی شروطه بالاجتهاد کما صرح به بعد ذلک .

اسی طرح امام شافعیؒ کے امام ابوحنیفہؒ کی قبر پر فجر کی نماز میں قنوت کے ترک سے بھی تلفیق پر استدلال نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ امام شافعیؒ کا اسی دن کا اجتہاد تھا۔

فانه محمول علی اجتهاده ذلک الیوم فقط فی دلیل ابی حنیفة فی نسخ القنوت الفجر لرجحان دلیله عنده ثم رجع بعده الی اجتهاده ولا یقاس المقلد علی المجتهد فی هذا الامر عند کل واقعة . آگے فرماتے ہیں: **ولابن نجیم عبارات فی کتابه شرح الکنز صریحة فی اشتراط المراعاة من الامام لصحة الاقتداء بالمخالف فکیف یکون قائلاً فی عبارته هذه لصحة التلفیق مطلقاً من مجتهد ومقلد.**

(خلاصة التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق :۲۷)

اسی طرح امام یوسف کے نماز کے مسئلہ میں (ماقبل میں تفصیل گذر چکی) بھی فرماتے ہیں:

ومراده ان ابایوسف صلی علی مذهبه وانما قلد فی خصوص الوضوء من القلتین، وعلی فرض تسلیم التلفیق فی ذٰلک فان المجتهد له ان یجتهد فی دلیل مجتهد آخر کما ذکرنا –ولا کذلک المقلد علی ان صلوٰة ابی یوسف علی مذهبه لیست فاسدة علی مذهب غیره حتی یکون ذٰلک تلفیقاً.

(خلاصة التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق: ص/۲۴–۲۶)

مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں: بهذا تبین سر ما ذهب الیه الفقهاء من عدم جواز ترک مذهب الی مذهب لان هذا ان کان علی وجه التخطیه للمذهب المتروک فهو لیس باهل لها . وان کان علی وجه الترجیح فهو لیس أیضا من اهله . فلا وجه للانتقال الی الهوی اوشیئ لا یعتد به فلا یجوز لا سیماً اذا کان هذا الصنیع یفتح علیه باب اتباع الهویٰ والشهوات.

(اعلاء السنن مقدمه : ص/ ۶۴)

مولانا ظفر احمد صاحب اپنے رسالے **التحقیق فی التلفیق** میں تلفیق پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: **اذا عرفت ذٰلک** (جب کسی مسئلہ میں علماء مجتہدین کے دو قول ہوں تو کسی مجتہد کے لئے تیسرے قول کا احداث جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دلائل ذکر کرنے کے بعد) **فاعلم ان التلفیق بین اقوال المجتهدین ان کان مبطلا للاجماع لم یجز والاجاز. نظیره صلوٰة من احتجم ومس امرأة بعد الوضوء من غیر تجدیده فانها باطلة اجماعًا وکذا صلوٰة من اخذ بقول الشافعی فی الاحتجام وبقول ابی حنیفة فی عدم رکنیة الفاتحة للصلوٰة فاکتفی بآیة من القرآن ولم**

يقرأ الفاتحة فانها باطلة اجماعاً. اما عند الشافعیؒ فلترک الفاتحة واما عند ابی حنيفة فلكونه صلی محدثا. هذا هو حكم التلفيق فی عمل واحدٍ.

واما حكمه اذا كان بين القولين فقط دون العمل بأن رجح مجتهد قول الشافعی فی الاحتجام وقول ابی حنيفة فی المس او فی عدم ركنية الفاتحة للصلوٰة فهو جائز، وكذا لولفق بينهما فی عملين لا فی عمل واحد بان صلی صلاة بعد الاحتجام بلا اعادة الوضوء ولم يعد الفاتحة مثلا وصلی اخری باعادة الوضوء به بعده واقتصر فی القرآن علی آية لما عرفت من ان القولين لايشتركان فی امر واحد هو حكم شرعی فلا يكون القول الثالث مبطلاً للاجماع ولكنّهما يشتركان احياناً فی الحكم ببطلان الصلوٰة اذا كان التلفيق فی عمل واحد وان اختلفا فی العلة كما تقدم .(۱۹۸/۲)

اجماع ائمہ کو باطل کرنے والی تلفیق قابل اعتبار نہیں ہے،اس کی مثال جیسے کسی آدمی نے وضوء کے بعد پچھنا لگایا اور عورت کو چھولیا پھر بغیر اعادۂ وضوء نماز پڑھی تو وہ بالاجماع باطل ہے ،اسی طرح کسی نے پچھنا کا قول شوافع سے اختیار کیا اور سورۂ فاتحہ کا رکن صلاۃ نہ ہونے کا قول احناف سے لیا اور نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو یہ بھی بالاجماع باطل ہے،امام شافعیؒ کے نزدیک فاتحہ ترک کرنے سے اور امام صاحبؒ کے نزدیک بے وضوء ہونے کی وجہ سے، یہ عمل واحد میں تلفیق کا حکم ہے، اور اگر صرف دو قول میں ہو عمل میں نہ ہو تو جائز ہے بایں طور کہ احتجام میں شوافع کے قول کو اور مس مرأۃ یا فاتحہ کے عدم رکن ہونے میں احناف کے قول کو ترجیح دی۔

اسی طرح دو عمل میں تلفیق کی اس طرح کہ احتجام کے بعد بلا اعادۂ وضو نماز پڑھی لیکن فاتحہ کو نہیں چھوڑا، دوسری مرتبہ احتجام کے بعد اعادۂ وضو تو کیا لیکن سورۂ فاتحہ کے بجائے ایک

آیت پڑھی (یہ بھی جائز ہے)

بعض لوگوں نے مجتہد کی تلفیق کے مقابلہ میں مقلد کی تلفیق کے جواز کو اولی قرار دیا ہے ،اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ مقلد عملاً اجماع کو باطل قرار دیتا ہے، **فان اعتقد صحته کان مبطلا للاجماع عملاً مخالفًا له اعتقادًا .**

اسی طرح ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ تقلید شخصی کے شیوع سے پہلے تلفیق کا جواز معلوم ہوتا ہے،لوگ کسی بھی عالم سے مسئلہ دریافت کر لیتے تھے، وہ اپنے علم واجتہاد کی بنیاد پر جواب دیتے تھے اور سائل سے کبھی یہ دریافت نہیں کرتے تھے کہ تو نے کسی اور عالم سے یہ مسئلہ دریافت کیا ہے یا نہیں؟ تا کہ تلفیق لازم نہ آئے ،معلوم ہوا کہ تلفیق جائز تھی لہذا اس سے روکنا خود مبطل اجماع ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب اسکے جواب میں فرماتے ہیں :سلف کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے عوام اپنے شہر کے علماء سے ہی سوال کرتے تھے اور ان میں معمولی اختلاف ہوتا تھا، آپ علماء حجاز کو آپس میں موافق پائیں گے، اسی طرح علماء عراق وشام آپس میں موافق تھے لہٰذا ان کے اقوال سے تلفیق باطل لازم نہیں آئے گی ، نیز وہ لوگ ایک عمل میں ایک قول پر اور دوسرے عمل میں دوسرے قول پر عمل کرتے تھے، وہ لوگ ایک ہی عمل میں مختلف اقوال پر عمل پیرا نہیں ہوتے تھے جس سے بطلانِ اجماع لازم آئے ،**وقد عرفت ان التلفیق بعین القولین انما یبطل الاجماع اذا کان فی امر واحد اوفی عمل واحد لا فی امرین او عملین .(مقدمة اعلاء السنن : ج/ ۲ ،ص/ ۲۰۰)**

علامہ طحطاوی کی عبارت نقل کر کے مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں:

قلت: وھٰذا یرشدک الی ان بطلان الملفق متفق علیه فی مذهب ابی

حـنيـفة والشـافعي واحمد، وعن مالک فيه روايتان ،احدهما جوازه ولا يبعد ان يقال اصحهما ما وافق فيه الجمهور دون ماخالفهم فيه .

(مقدمة اعلاء السنن: ج/ ۲،ص/ ۲۰۰)

حضرت قاضی مجاہد الاسلامؒ فرماتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ تلفیق ممنوع ہے جس کا مقصد واجبات وفرائض سے رہائی حاصل کرنا، خواہشات نفس کی پیروی اور محرمات شرع کے ارتکاب کے لئے حیلہ جوئی ہو، لیکن صحیح مقاصد کے لئے درج ذیل شرائط کے ساتھ تلفیق جائز ہے۔

اوّل:- تقلید کے طور پر جو عمل ہو چکا ہے اس سے رجوع لازم نہ آئے ،مثلاً: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: **انـت طـالقة البتة** تجھے قطعی اور یقینی طلاق ہے، اور اس کی نیت اس سے تین طلاق کی ہے، پھر اس نے اس مسئلہ میں اپنی رائے کو نافذ کیا اور یہ یقین کرلیا کہ وہ عورت اس پر حرام ہو چکی ہے، پھر اس کی رائے یہ ہوئی کہ اس طلاق کو رجعی قرار دے کر اس سے رجعت کرلے اور اسے اپنی زوجیت میں باقی رکھے۔

دوم :- یہ کہ اس سے اس کے لازم اجماعی (یعنی پہلے تقلید کے طور پر عمل کرنے کی وجہ سے جو صورت لازم آتی ہے) سے رجوع لازم نہ آتا ہو، مثلاً: ایک شخص نے بغیر ولی کے نکاح کے صحیح ہونے میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کی، اور ایک بالغہ لڑکی سے بلا ولی نکاح کرلیا تو اس میں شک نہیں کہ اگر نکاح کی صحت تسلیم کرلی جائے تو اس سے طلاق واقع کرنا بھی لازماً صحیح ہوگا، تو اگر یہ شخص اپنی منکوحہ کو جس سے بغیر ولی کے نکاح کیا ہے تین طلاق دے دے، پھر طلاق واقع نہ ہونے میں امام شافعیؒ کی تقلید کرنا چاہے (کہ امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے یہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا، کیونکہ بغیر ولی کے تھا) تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ سابق تقلید کے

نتیجے میں لازم آنے والے لازم اجماعی حکم سے رجوع کرنا ہے۔

سوم :- یہ کہ علماء کے نادراور شاذ اقوال کو اختیار نہ کرے، کیونکہ علماء کے وہ نادراور شاذ اقوال جنہیں امت نے مسترد کردیا ہے اور قبول نہیں کیا ہے انہیں اختیار کرنا جائز نہیں ہے، امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: جو شخص علماء کے نادر اقوال کو اختیار کرے گا وہ اسلام سے نکل جائے گا، سلیمان تیمی کہتے ہیں: اگر تو ہر عالم کی رخصت اختیار کرے تو تجھ میں تمام برائیاں جمع ہوجائیں گی اور علماء کے شاذ ونادر سے مراد وہ اقوال ہیں جنہیں زلات (لغزشیں) کہا جاتا ہے

۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ہم تلفیق اور تتبع رخص کو مطلقاً مباح قرار دیں تو یہ امت کے لئے فتنہ اور آزمائش ہوگی، اور شریعت کی ہتک حرمت ہوگی؛ کیونکہ یہ دونوں اباحت پسندی، آزادی، لہوولعب اور خواہش کی پیروی کا سبب بنیں گے، ہاں اگر قابل اعتماد فقہائے کرام دورِ جدید کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے اور امت سے حرج اور تنگی کو دور کرنے کے لئے ضروری شرائط کے ساتھ رخصت اور تلفیق کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں، تو میری رائے میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بالخصوص جب یہ کام علماء راسخین کے اجتماعی اجتہاد کے نتیجہ میں انجام پائے۔ واللہ اعلم (مباحث فقہیہ: ص/۱۹۷تا۱۹۸)

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی دامت برکاتہم اپنی کتاب اصول الفقہ الاسلامی میں تلفیق کی عدم جواز کی شکلیں اور عبادات محضہ، عبادات مالیہ، معاملات شرعیہ وغیرہ کا فرق کرتے ہوئے تفصیلی کلام فرماتے ہیں:

التلفيق الممنوع :

ليس القول بجواز التلفيق مطلقا، وإنما هو مقيد في دائرة معينة ، فمنه

ماهو باطل لذاته ، كما إذا أدى إلى إحلال الحرمات كالخمر والزنى ونحوهما، ومنه ماهو محظور لالذاته، بل لما يعرض له من العوارض ، وهو ثلاثة انواع . **الحاشية :-**(راجع عمدة التحقيق، المرجع السابق ١٢١، الإحكام في تمييز الفتاوى عن الأحكام للقرافي ٧٩، فتاوى الشيخ عليش ١/٦٨، ٧١، رسم المفتي لإبن عابدين ١/٦٩)

أولها: - تتبع الرخص عمدا، بأن يأخذ الإنسان من كل مذهب ماهوالأخف عليه بدون ضرورة ولا عذر، وهذا محظور سدا لذرائع الفساد بالانحلال من التكاليف الشرعية .

قال الغزالى: ليس لأحد ان يأخذ بمذهب المخالف بالتشهي، وليس للعامي ان ينتقي من المذاهب في كل مسألة اطيبها عنده فيتوسع إلخ...(المستصفى ٢/١٢٥)

ويندرج تحت هذا النوع بالأولى تتبع الرخص للتلهي والأخذ بالأقوال الضعيفة من كل مذهب اتباعاً للملاذ والأهواء.

الثاني:- التلفيق الذي يستلزم نقض حكم الحاكم ؛ لأن حكمه يرفع الخلاف درءا للفوضى.

الثالث:- التلفيق الذي يستلزم الرجوع عما عمل به تقليداً او عن امر مجمع عليه لازم لأمر قلده.

مثال الحالة الاولى : مانقل عن الفتاوى الهندية : لو ان فقيها قال لامرأته: (انت طالق البتة)، وهويرى ان الطلاق يقع ثلاثا ، فامضى رأيه فيما

بيـنـه وبينها ، وعزم على انها حرمت عليه ، ثم رأى بعد ئذ أنها تطليقة رجعية، امـضـى رأيـه الأول الذي كان عزم عليه، ولا يردها إلى أن تكون زوجته برأي حدث من بعد.

وكـذلك لـوكـان فـي الابتـداء يـراهـا تـطليقة رجعية ، فعزم على انها امـراتـه ثـم راى بـعـد انهـا ثـلاث لـم تحرم عليه ، ولكن ينبغى الانتباه الى ان الـرجـوع بـعـد الـعـمل لا يجوز اذا كان فى حادثة واحدة، لافى مثلها، بدليل ماذكرفى الفتاوىٰ الهندية : انه لوكان يرى فى قوله لامرأته : (انت طالق البتة) انهـا تـطـليـقة رجـعية فـله مراجعتها ، ثم قال لامرأة اخرى: (انت طالق البتة) وهـو يرى يوم قال ذلک انها ثلاث ، حرمت عليه المرأة الاخرى بهذا القول : وهـذا مـاصـرح بـه الامام السبكى وتبعه عليه جماعة . ويلاحظ ان الرجوع عـن التـقـليـد بعد العمل باطل كما صرح الأصوليون . مقيد فيما إذا بقي من آثـار الـفـعـل السـابـق اثـر يـؤدى إلـى تـلـفيق العمل بشيءٍ لا يقول به كل من المذهبين .

ومثـال الـحـالة الثـانية : لـو قـلـد رجـل ابـا حـنيفة فى النكاح بلا ولى، فيستـلـزم الـعقد صحة إيقاع الطلاق ؛ لأنها امر لازم لصحة النكاح اجماعا ، فـلـو طلقها ثلاثا ، ثم اراد تقليد الشافعي فى عدم وقوع الطلاق لكون النكاح بلاولي ؛ (إذ ان الطلاق لم يصادف محلا ، واراد ان يعقد عليها عقدا جديدا)

وارى ان الـقـول بهـذا امـر مـحتـم ؛ لانــه يـحتـاط فى قضايا الانساب اكثـرمـمـا يـحتاط فى غيرها، وإلا ترتب عليه ان تكون العلاقة السابقة علاقة

محرمة ، وان الاولاد اولاد زنى، وينبغى سد كل باب يؤدى الى مثل هذا التحايل فى كل امر خطير كالنكاح مثلا، اوفى كل مايتوسل به الى العبث بالدين ، او الاضرار بالبشر، او الفساد فى الارض.

واما فى مجال العبادات والتكاليف التى لم يجعل الله بها حرجا على عباده ، فلا يكون التلفيق ممنوعا ، ولواستلزم الرجوع عما عمل به ، او عن امر لازم لآخر اجماعا ، مالم يفض الى الانحلال من ربقة التكاليف او الى الذهاب بالحكمة الشرعية باتباع الحيل التى تغاير الشريعة او تضيع مقاصدها.

حكم التلفيق فى التكاليف الشرعية :

بان سابقا ان مجال التلفيق هو فى الفروع الاجتهادية الشرعية الظنية ، اى المختلف فيها، اما فى العقائد والايمان والاخلاق وكل ماعلم من الدين بالضرورة، فليس داخلا فى التلفيق ، لانه لا يجوز فيها التقليد اتفاقا ، بل وليست مجالا للاجتهاد ، حتى تكون محلا للخلاف الذى يبنى عليه التقليد والتلفيق.

وحيث ان التلفيق يتأتى فى المسائل الفرعية ، فيلزم تفصيل الحكم فيها.

تنقسم الفروع الشرعية إلى ثلاثة انواع : (عمدة التحقيق ١٢٧ وما بعدها)

أوّل : ما بنى فى الشريعة على اليسر والتسامح مع اختلافه باختلاف

احوال المكلفين.

الثانی : مابنی علی الورع والاحتياط.

الثالث: مايكون مناطه مصلحة العباد وسعادتهم.

اماالنوع الاول : فهو العبادات المحضة ، وهذه يجوز فيها التلفيق للحاجة، لان مناطها امتثال امرالله تعالى والخضوع له مع عدم الحرج، فينبغی عدم الغلوبها؛ لأن التنطع يؤدی إلی الهلاک ، اما العبادات المالية ، فإنها ممايجب التشدد بها احتياطاً، خشية ضياع حقوق الفقراء، فينبغی علی المزكي ألا يأخذ بالقول الضعيف ، او يلفق من كل مذهب ما هو اقرب لإضاعة حق الفقير ، وعلی المفتی ان يفتی فی هذا النوع بما هو الاحوط والانسب، مع مراعاة حال المستفتی.وكونه من أصحاب العزائم أم لا.

وأما النوع الثانی فهو المحظورات ، وهی مبنية علی الاحتياط والأخذ بالورع (الورع : الكف عن الشبهات تحرجا وتخوفا من الله تعالی ثم استعير للكف عن الحلال ايضاً)مهما امكن ، لان الله تعالی لا ينهی عن شيئ إلا لمضرته، فلا يجوز فيها التسامح او التلفيق إلا عند الضرورات الشرعية ، لأن الضرورات تبيح المحظورات، وورد فی الحديث : "مانهيتكم عنه فاجتنبوه ، وما امرتكم به فأتوا منه مااستطعتم. (متفق عليه بين البخاری ومسلم من حديث ابی هريرة رضي الله عنه،شرح صحيح مسلم ٩/١٠١، رياض الصالحين ٨٣)فالأمر قيده بالاستطاعة ، والنهی اطلقه ، لدفع ضرر المنهی عنه.

وكون المحظورات لا يسوغ فيها التلفيق ، لأنها مبنية على الورع والاحتياط مستند إلى حديث ابن مسعود:" ما اجتمع الحرام والحلال ، الا غلب الحرام الحلال "رواه البيهقى من حديث ابن مسعود ، وفيه ضعف وانقطاع، وقال الزين العراقي: إنه لا أصل له. (المقاصد الحسنة ٣٦٢) وحديث " دع ما يريبک إلى مالا يريبک" رواه الترمذى والنسائى عن الحسن بن علي بن ابي طالب ، وقال الترمذى: حديث حسن صحيح.

وأما أن المحظورات المتعلقة بحقوق العباد لايجوز فيها التلفيق ، فلانها قائمة على اساس صيانة الحق ومنع الايذاء او العدوان ، فلا يباح التلفيق فيها لانه نوع من الاحتيال للاعتداء على الحق وإضرار العباد.

واما النوع الثالث : فهو المعاملات ، والحدود ، واداء الاموال من عشر وخراج وخمس المعادن ، والمناكحات؛ فالمناكحات وما يتعلق بها من المفارقات مبناها سعادة الزوجين واولادهما، ويتحقق المبنى بالحفاظ على الرابطة الزوجية، وتحقق الحياة الطيبة فيها ، كما قرر القرآن الكريم ، :﴿ فإمساک بمعروف أو تسريح باحسان﴾ فكل مايؤيد هذا الأصل يعمل به، ولو ادى فى بعض الوقائع الى التلفيق ، إلا انه ينبغي الا يتخذ التلفيق ذريعة لتلاعب الناس باقضية النكاح والطلاق مراعاة للقاعدة الشرعية ، وهى (ان الاصل فى الابضاع التحريم)(الاشباه والنظائر لابن نجيم ١/٩٨ وما بعدها ، الاشباه للسيوطي ٦٧ وما بعدها) والمراد بالقاعدة: ان المرأة المقصودة للزواج الاصل فيها تحريمها على الرجل ، ويدخل فيها كل نواحي الاستمتاع

بالمرأة) صيانة لحقوق النساء والانساب ، وحينئذ يكون التلفيق ممنوعا.

واما المعاملات ، واداء الاموال ، والحدود المقررة وصيانة الدماء ونحوها من التكاليف المراعى فيها مصالح البشرية والمرافق الحيوية ، فيجب الأخذ فيها من كل مذهب ماهواقرب الى مصلحة العباد وسعادتهم ولو لزم منه التلفيق ، لما فيه من السعي وراء تاييد المصلحة التى يقصدها الشرع ، ولأن مصالح الناس تتغير بتغير الزمان ، والعرف وتطور الحضارة والعمران، ومعيار المصلحة كما عرفنا في الأدلة المختلف فيها: هو كل مايضمن صيانة الأصول الكلية الخمسة وهى: حفظ الدين والنفس والعقل والنسل والمال ، وصيانة كل مصلحة مقصودة شرعا من الكتاب او السنة او الاجماع، وهى المصالح المرسلة المقبولة.

والخلاصة : إن ضابط جواز التلفيق ، وعدم جوازه: هو أن كل ماأفضى إلى تفويض دعائم الشريعة والقضاء على سياستها وحكمتها فهو محظور وخصوصا الحيل، وأن كل مايؤيد دعائم الشريعة ، وما ترمى اليه حكمتها وسياستها لإسعاد الناس فى الدارين بتيسير العبادات عليهم وصيانة مصالحهم فى المعاملات، فهو جائز مطلوب .

والتلفيق الجائز فى تقديرى : هوعند الحاجة او الضرورة ، وليس من اجل العبث او تتبع الايسر والاسهل عمدا بدون مصلحة شرعية ، وهو مقصور على بعض احكام العبادات والمعاملات الاجتهادية ، لا القطعية.(اصول الفقه الإسلامى : ١١٨٦/٢ – ١١٨١)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ تلفیق کا جواز مطلقاً نہیں ہے، بلکہ کچھ معین شرائط کے ساتھ ہی جائز ہے، کچھ شکلیں ذاتی طور پر باطل ہیں، جیسے کہ حرام کو حلال کرنے والی (شراب، زنا وغیرہ) کچھ شکلیں ذاتی طور پر تو باطل وممنوع نہیں ہے لیکن عوارضات کی وجہ سے اس پر عدم جواز کا حکم ہوگا اسکی تین اقسام ہیں:

(۱) عمداً رخصتوں کو تلاش کرنا بغیر ضرورت وبغیر عذر کے آدمی ہر مذہب سے آسان چیزوں کو تلاش کرے، یہ سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہوگا کیونکہ یہ تکلیفات شرعیہ کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکنا معلوم ہوتا ہے، اپنے مذہب کے اقوال ضعیفہ کو خواہشات ولذات کے لئے اختیار کرنا اسی قسم میں شمار ہوگا۔

(۲) حاکم کے حکم کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، کیونکہ اس کا حکم تو لوگوں کو آوارہ ہونے سے بچاتا ہے۔

(۳) اس تلفیق سے سابق تقلیدی حکم سے رجوع لازم آتا ہو یا متفق علیہ امیر کی خلاف ورزی لازم آتی ہو۔

* علامہ زحیلی عبادات اور وہ تکالیف شرعیہ جن میں اللہ پاک نے بندوں پر حرج نہیں رکھا ہے اس میں توسع سے کام لیتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تکلیف کا قلادہ مکمل ہی ختم نہ کردے یا مقاصد شریعت کو ضائع کرنے والے حیلے استعمال نہ کرے۔

عقائد، ایمان اور اخلاقیات وغیرہ دین کے ضروری اوامر میں تلفیق کا مسئلہ نہیں ہوگا کیونکہ اس میں تقلید ہی جائز نہیں ہے، بلکہ اجتہادات وغیرہ کا اس میں کوئی موقع ہی نہیں ہے کہ تقلید تلفیق وغیرہ پر گفتگو کی جاوے۔

البتہ فروع شرعیہ سے تلفیق کا تعلق ہوگا اسکی بھی تین اقسام ہیں:

(۱) وہ ضرورت جس میں شریعت مطہرہ نے مکلفین کے احوال کے مختلف ہونے کے اعتبار سے نرمی اور درگذر کا معاملہ فرمایا ہے۔

(۲) جو احتیاط اور تقوی پر مبنی ہیں۔

(۳) وہ احکام جن پر بندوں کی مصلحت اور سعادت کا دارومدار ہے۔

۱) پہلی قسم: وہ خالص عبادتیں ہیں، اس میں ضرورت کے پیش نظر تلفیق جائز ہے، کیونکہ ان کا مدار اللہ پاک کے حکموں کو بجالانا اور خشوع وخضوع مقصود ہے؛ لہذا اس میں غلو کرنا مناسب نہیں ہے۔

۲) عبادات مالیہ: اسمیں احتیاط کے پیش نظر تشدد کرنا ضروری ہے، کیونکہ فقراء کا حق ضائع ہوسکتا ہے؛ لہذا زکوۃ ادا کرنے والے کے لئے اپنے مذہب کے قول ضعیف پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا، اور اسی طرح دوسرے امام کے ایسے قول پر عمل کرنا جس سے فقراء کا حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو، جائز نہیں ہے۔ اور مفتی کے لئے بھی ضروری ہوگا کہ ایسے مسائل میں احتیاط والے قول پر ہی فتویٰ دے۔

۲) دوسری قسم: ممنوعات شرعیہ کی ہیں، اس کا دارومدار احتیاط تقویٰ اور ورع پر ہے کیونکہ یہ ممنوعات شرعیہ ہیں اللہ تعالی نے جس چیز سے روکا ہے اس میں بندہ کی مضرت یقینی طور پر پوشیدہ ہے؛ لہذا اس میں بھی تلفیق اور تسامح بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں ہے، متعدد روایات حدیث اس پر شاہد ہیں۔

خاص کر کے وہ ممنوعات ومنہیات جن کا تعلق حقوق العباد سے ہوں، ان میں تو حق کا ضیاع اور زیادتی کا امکان زیادہ ہے، لہذا تلفیق مباح نہ ہوگی۔

۳) تیسری قسم: معاملات، عشر، خراج، معادن خمسہ اور نکاح وغیرہ ہیں اس میں

مناکحات اور طلاق وغیرہ کا مقصد میاں بیوی کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانا ہے اس میں تلفیق کی گنجائش ہے، جب تک کے وہ قواعد شرعیہ کے ساتھ کھلوار کا ذریعہ نہ بنے۔

بہرحال معاملات، مال کی ادائیگی، شرعی حدود اور انسان جان کی حفاظت وغیرہ تکلیفات جن میں انسانی مصلحت اور زندگی کی راحتیں وغیرہ کی رعیاتیں کی گئی ہیں، تو اس میں تلفیق کی گنجائش ہے، کیونکہ اس میں بندوں کی مصلحت سے قریب قول اختیار کرنا ہی مطلوب شرعی ہے۔

نیز زمانے، عرف اور تہذیب وتمدن کی تبدیلی سے مصالح کا معیار بھی بدل جائے گا۔

حاصل یہ کے جو تلفیق شرعی احکام کے مقاصد اور بنیاد کو ہی بدل دے تو وہ ممنوع ہوگی، خاص کر کے جس میں غلط حیلوں سے کام لیا جاوے، اور تلفیق کا وہ عمل جس میں شرعی مقاصد کی تائید ہوتی ہو، اس کا جواز ہوگا۔

تلفیق کا جواز حاجت وضرورت کے وقت ہے، محض ہوائے نفسانی کے لئے آسانیاں تلاش کرنے کے لئے نہیں ہے۔

مولانا محمد مظہر بقا صاحب اپنی گراں قدر کتاب ''اصول فقہ اور شاہ ولی اللہؒ'' میں شاہ ولی اللہؒ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جہاں تک مذہب معین کے التزام یا عدم التزام کے بارے میں علماء کے اختلاف کا تعلق ہے سچی بات یہ ہے کہ یہ اختلاف کسی عمیق نظریاتی اختلاف پر مبنی نہیں۔

کیونکہ جب ایک عامی کے لئے کسی نہ کسی مذہب کی تقلید ہی ضروری ہے تو اگر وہ کسی معین مذہب کی تقلید نہیں کرنا چاہتا تو اس کی وجہ عموماً اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ جس مذہب میں جو مسئلہ اس کی خواہش کے مطابق ہوا سے اختیار کرنا چاہتا ہے، اور اتباع ہوا بالاتفاق ممنوع ہے۔

پس جن لوگوں نے عوام کی اس کمزوری کا لحاظ کیا انہوں نے **مذہب معین** کے التزام کو ان کے لئے ضروری قرار دیدیا؛ تاکہ اتباع شریعت کے پردے میں اتباع ہویٰ نہ کی جاسکے۔

چنانچہ علامہ نوویؒ نے الکیاہراسی کے قول کی جو **مذہب معین** کے التزام کو ضروری قرار دیتے ہیں یہ وجہ بیان کی ہے:

"لو جاز اتباع ای مذهب شاء لافضی الی ان یتلقط رخص المذاهب متبعا هواه ویتخیر بین التحلیل والتحریم والوجوب والجواز وذلک یودی الی انحلال ربقة التکلیف .(شرح المهذب مقدمه : ص/ ۵۵)

اور جن لوگوں نے **مذہب معین** کے التزام کو ضروری قرار نہیں دیا، انہوں نے بھی عدم اتباعِ ہویٰ کی شرط لگادی اس لئے نتیجہ کے طور پر بالعموم دونوں رایوں میں کوئی فرق نہ ہوگا ،کیونکہ اتباع ہویٰ جس کا منشا نہ ہو وہ ''یک در گیر ومحکم گیر'' کے اصول سے تجاوز ہی کیوں کرے گا۔(اصول الفقہ اور شاہ ولی اللہؒ: ص/۵۹۱تا۵۹۵)

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ اپنی کتاب ''اجتہاد اور تقلید'' میں تلفیق ممنوع کے سلسلہ میں اپنے حکیمانہ انداز میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی غائرنظر ہمیشہ اصول اور تہ کی طرف دوڑتی ہے اور وہ ہر مسئلہ کی لم اور اس کی اندرونی بنیاد تک پہنچ کر غرض شارع کا پتہ چلاتے ہیں، اسی باطنی غرض اور حکمت کے معیار سے روایات کے احکام کے درجات قائم کرتے ہیں اور ان میں تطبیق وتوفیق دیتے چلے جاتے ہیں، اس لئے ان کے فقہ میں کلیات تعمیمات اور ہمہ گیری بہت زیادہ ہے، دوسرے حضرات حکم دیکھتے ہیں اور اسی کو اصل قرار دے کر روایات پر نظر کرتے ہیں تو احکام میں تعداد اور تکثیر تو زیادہ ہوتی ہے مگر انضباط، تسلسل اور ترتیب اس طرح نہیں آتی کہ

ہر ہر جزو کسی نہ کسی اصل سے جڑا ہوا نظر آئے اور ہر ہر حکم کسی نہ کسی حکمت سے مربوط دکھائی دے ،ظاہر ہے کہ تسلسل اور ترتیب میں انضباط ہوتا ہے اور دوسری صورت میں تکثیر احکام،اسی لئے فقہ حنفی میں ترتیب و تسلسل اور جامعیت واجتماعیت کا رنگ غالب ہے۔اور دوسرے فقہوں میں تکثیر احکام اور تکثیر جزئیات کا رنگ غالب ہے اور کلیاتی دائرہ محدود ہے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ مخصوص رنگ کے اصول اپنے اپنے فقہ کے تمام ابواب اور ساری ہی اجتہادی فروع میں رچے ہوئے ہوں گے گویا ایک فقہ کے سارے مسائل کی تشکیل یہ ایک ہی رنگ کے اصول کریں گے تو اس پورے فقہ کا ایک مزاج قائم ہو جائے گا جو اپنے امام کے ذہنی مزاج کے مطابق ہوگا، پھر وہی ذہنی مزاج ان کا بھی بنے گا جو اس فقہ کی تقلید کریں گے، کیونکہ مربوب کی ذہنیت مربی ہی کی ذہنیت سے بنتی ہے۔اس صورت میں دو فقہوں کی جزئیات کتنی ہی غیر متبائن ہوں اور بظاہر سطح تناقض سے کتنی ہی بعید ہوں گے مگر یہ ذوقی الوان اور اصول استنباط کا تناقض ان میں رچ کر انہیں اصولی طور پر متضاد بنادے گا۔اور یہ میں عرض کر چکا ہوں کہ تقلید حقیقتاً جزئیات کے پردہ میں ان اصول کی ہوتی ہے جو ان جزئیات کو پردۂ ظہور پر لاتے ہیں اور وہ متعارض ہیں تو وہی تضاد کا تضاد باقی رہا؛ جزئیاتی نہ سہی ،کلیاتی سہی ،اور جب کہ یہ اصول وکلیات ہی اصل میں محل تقلید ہیں تو خواص کی نظر میں یہ تضاد اس تضاد سے اشد ہوگا جو جزئیاتی تھا کہ جزئیات تقلید کے بارہ میں اصل ہی نہ تھیں ،یہ اصول ہی اصل تھے اور اصل کا فساد فرع کے فساد سے عقلاً وشرعاً مہلک تر ہوتا ہے۔

پس ایسے اصولی اختلاف کے ہوتے ہوئے دو فقہوں کی بیک دم تقلید کیا جانا اور بالفاظ دیگر ایک فقہ کی تربیت کے ہوتے ہوئے دوسرے فقہ کی تربیت کا رنگ اس پر چڑھایا جانا علاوہ تربیت کی دو عملی اور تضاد حالی کے ہر مربی امام کی تربیت کو ناقص اور نکما بنالینا ہے۔

مثلا اگر امام ابوحنیفہؒ ان ہی اصول استخراج پر نماز کے ذریعہ سکون اور حج کے ذریعہ حرکت کا ذوق عامل فقہ میں راسخ کرنا چاہتے ہیں اور شافعیؒ اس کے برعکس اور اس ہرجائی مقلد نے نماز حنفی اصول پر پڑھ کر حج شوافع کے طریق پر کر لیا تو ذوق حرکت اسے کسی طرف سے بھی نہ مل سکے گا، کیونکہ اس کی نماز تو ساکن رہی حنفی اصول پر اور حج ساکن رہا شافعی اصول پر؛ حالانکہ جو امام اپنے ذوق اجتہاد سے اس میں نماز کا سکون پیدا کرنا چاہتا تھا، وہ اسی ذوق سے اس میں حج کی حرکت بھی راسخ کرنا چاہتا تھا کہ اس مجموعہ ہی میں اس کی روحانی فلاح تھی لیکن جب اس مقلد نے آدھی تربیت ایک سے کرائی اور آدھی دوسرے سے؛ اور وہ بھی دونوں جانبوں کے سکون عبادت ہی کی جہت لے لی تو اول تو کسی امام کے رنگ پر بھی اس کی تربیت مکمل نہ ہوئی اور جتنی ناقص بھی ہوئی وہ بھی روحی مقام کی صرف ایک ہی جانب پر مشتمل رہی گویا یہ مقلد ناقص بھی رہا اور ایک جہت سمجھنے سے بھی خالی رہا اور اوپر سے کلیاتی تضاد حالی کا شکار بھی ہو گیا، جو اس کے فساد مزاج کا پورا پورا سامان ہے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مریض یونانی طبیب کا علاج کراتے ہوئے بعض دوائیں ڈاکٹری بھی استعمال کرنے لگے، ظاہر ہے کہ دواؤں میں کوئی تعارض نہیں لیکن دواؤں کے مخفی سلسلے میں جس کو روشِ علاج اور طریق تدبیر کہنا چاہیئے۔اصولی تعارض ضرور موجود ہے جو مریض کے مزاج کو فاسد کر دینے کے لئے کافی ہے کیونکہ ڈاکٹر اپنے اصول اور روش علاج کے ماتحت مثلاً مریض کو دودھ کی تاکید کرے گا اور طبیب اپنی روش فن کے لحاظ سے روکے گا، ڈاکٹر مثلاً پھلوں کا استعمال ضروری قرار دے گا اور طبیب اس سے مانع آئے گا۔ڈاکٹر ایک غذا تجویز کرے گا، طبیب اس کے خلاف دوسری، غرض ایک جزوی دوا کے استعمال میں بظاہر کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا تھا مگر یہ دوا جس مجموعی روش اور جن ڈاکٹری اصول کے نیچے آئی ہوئی ہے وہ

یقیناً اس روش واصول کے معارض ہیں جو طب یونانی کی دواؤں کی پشت پر ہیں اس لئے ایک جزوی دوا کے راستہ سے یہ اصولی تعارض مریض پر متضاد آثار ڈالے گا، اور مریض اس حالت میں زیادہ دن اپنی خیر نہیں منا سکے گا، مگر اس مخفی مضرت کو عوام نہیں صرف اطباء ہی پہچان سکتے ہیں جن کے قول پر اعتماد کرنے کے سوا مضرت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

عدم تقلید یا نقیضین میں دائر سائر رہنے کے چند واضح مفاسد

ساتھ ہی اس پر بھی غور کیجئے کہ اس ہرجائی پن اور نقیضین میں دائر رہنے کی عادت کا طبعی اثر ایک دوسری نوعیت مفاسد کی یہ ہوگی کہ یہ شخص کئی کئی اماموں اور مفتیوں کی طرف رجوع کرتے رہنے کی حالت میں اپنے نفس کے لئے سہولتیں تلاش کرنے کا عادی ہو جائے گا کہ جدھر سہولت دیکھی ادھر ہی سے فتوی لے لیا اور ادھر ہی کا مقلد بن گیا اس صورت میں گویا یہ تقلید غیر معین غلبہ ہوا وہوس کے ماتحت اس کی مطلب براری کا ایک آلہ اور حیلہ ہوگی وہ ان کئی ائمہ کے پردہ میں درحقیقت مقلد اپنے نفس کا ہوگا جس کے سامنے طاعتِ حق نہ ہوگی بلکہ صرف اپنی راحت وسہولت اور نفسانی شہوت۔

مثلاً ایک شخص نے وضو کیا اور پھر خون نکلوایا جس سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ گیا تو اس نے کہا کہ میں امام شافعیؒ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کے بعد عورت کو شہوت سے ہاتھ لگایا جس سے امام شافعیؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس نے کہا کہ میں امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور بلا تجدید وضو نماز پڑھ لی چونکہ اس شخص کا وضو بالاجماع ٹوٹ چکا ہے گو سبب مختلف ہوئے اس لئے اس کی نماز سب کے نزدیک باطل ہوئی۔ مگر یہ اپنے نزدیک پھر بھی اپنے کو متوضی اور مصلی سمجھ رہا ہے جس سے علاوہ فرق اجماع کے مفسدہ کے اس شخص کی اس ساری تحقیق اور تقلید کا حاصل حظ نفس اور مطلب

براری کے سوا کچھ نہ نکلا۔ گویا اس کا دین اس کے ہوا کے تابع ہو گیا نہ کہ ہوائے نفس دین کے تابع ہوئی۔ حالانکہ صریح ارشاد نبوی ہے:

عن عبداللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (مشکوٰۃ)

عبداللہ بن عمر کی روایت ہے؛ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے ۔

پھر فروع میں اس قسم کی آزادی کا خوگر ہو جانے سے اصول میں بھی ایسی ہی آزادی کا آجانا غیر مستبعد نہیں رہتا بلکہ عادۃً ایسا ہو رہا ہے حالانکہ بنص حدیث شبہات میں پڑنے والا بالآخر حرام میں پڑ کر رہتا ہے۔

بہر حال ایسا مقلد عام جو بلا تعین مختلف ائمہ کے تقلید کا خوگر ہے وہ یقیناً نقیضین میں دائر سائر رہے گا، خواہ وہ تناقض جزئیاتی ہو یا کلیاتی ساتھ ہی ان متخالف اجتہادات کے آثار سے اس کا روحانی مزاج بھی فاسد ہوئے بغیر نہ رہے گا یا ہوائے نفس اس کے دین پر غالب آجائے گی یا وہ رضائے حق کا طالب نہ رہے گا یا اجماع امت کا ربقہ گلے سے نکال پھینکے گا اور نتیجۃً فروعات کی آزادی اصول تک پہنچ جائے گی اور اصول کو بھی وہ حظ نفس اور مطلب براری ہی کا ذریعہ بنا کر بالآخر سرے سے دین ہی کو کھو بیٹھے گا۔

یہی وجہ ہے کہ روحانی تربیت اور نفسانی معالجہ کے سلسلہ میں؛ جس کے اطباء انبیاء علیہم السلام ہیں، ایک نبی کی شریعت پر عمل کرتے ہوئے دوسری شریعت اور نبی کو حق جاننے کے باوجود اس پر عمل کرنے کی خاص طور سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ادب تو اتنا کہ ایک نبی اور اس

کی شریعت کے انکار پر پورا دین ضبط؛ لیکن احتیاط اس پر یہ کہ اس سچے نبی کے ایک جزئیہ پر بھی بلا اجازت نبی زمان عمل ناجائز اور ممنوع جس کا راز یہی ہے کہ ہر شریعت کی تربیت کا رنگ جدا جدا ہے، نفس میں ان کے متضاد آثار پیوست ہونے سے اس نفس کی ہلاکت ہے نہ کہ تقویت ، چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضورﷺ کے سامنے یہ خیال ظاہر کیا کہ یہود کی بعض باتیں ہمیں بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں اگر اجازت ہو تو لکھ لیا کریں تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتھوکون انتم کما تھوکت الیھود والنصاریٰ لقد جئتکم بھا بیضاء نقیۃ ولو کان موسیٰ حیا ماوسعہ الا اتباعی . (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

کیا تم اپنے احکام دین کے بارہ میں ابھی تک حیرت میں پڑے ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ حیرت میں پڑے ہوئے ہیں؟ بلاشک میں تمہارے پاس ایک صاف اور روشن شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر موسیٰ بھی آج زندہ ہوتے تو انہیں بھی میرے اتباع کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

اس اصول پر مربیان باطن حضرات صوفیائے کرام قدس اللہ اسرارہم نے اپنے طریق تربیت کی بنیاد توحید مطلب پر رکھی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ ایک شیخ سے وابستہ ہو کر دوسرے کی طرف عملی رجوع کرنا باعث تباہی نفس ہے۔ رنگ بھی جدا جدا ہے، اور اسی رنگ کے مطابق ادب و تعظیم بلا استثناء سب کا ضروری لیکن اتباع صرف ایک کا کہ ہر مربی باطن کا رنگ فطرت ہی الگ ہے اس سے پیدا شدہ اصولی تربیت کا نفوس پر احوال و کیفیات بھی اسی رنگ کے طاری ہونے ضروری ہیں پس اگر توحید مطلب باقی نہ رہے، بلکہ طالب و سالک اپنے تلون کے تحت مختلف مشائخ میں دائر سائر پھرتا رہے تو اس میں یکسوئی، یک رنگی اور دلجمعی کی دولت کبھی پیدا نہیں ہوسکتی جو تمام کمالات باطن کی اساس ہے اور اس لئے اسے تمام عمر کبھی بشاشت و تمکین میسر نہیں آسکتی جس کے لئے ساری ریاضتیں کی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ طریق نبوت ہو یا طریق ولایت، دونوں میں توحید مطلب کے بغیر تربیت کا کام نہیں چل سکتا، پھر اسی طریق کی روشنی میں اطباء جسمانی کو بھی یہی توحید مطلب بنام توحید مطب اختیار کرنی پڑی کہ اس کے بغیر مریض کی صحت ہی متوقع نہیں ہو سکتی۔

پس جو انتظام انبیاء علیہم السلام نے اپنی شان تربیت کو مؤثر بنانے کے لئے کیا، اولیاء نے اپنی شان معالجہ کو کامیاب بنانے کے لئے کیا۔ اطباء نے اپنے طریق علاج کو نتیجہ خیز کرنے کے لئے کیا جس کا نام توحید مطلب یا توحید مطب ہے وہی انتظام بعینہٖ فقہاء ملت نے اپنی شرعی رہنمائی اور دینی تربیت کو پر اثر اور مثمر بنانے کے لئے فرمایا اور اپنی فقہی توحید مطلب کا نام تقلید شخصی یا تقلید معین رکھ کر یہ شرعی مطب کھول دیا، تا کہ ایک شخص ایک ہی فقہ کو اپنا دستورِ زندگی ٹھہرا کر کئی کئی فقہوں اور فقیہوں کے مخالف آثارِ تربیت کا شکار نہ بن کر اپنے دین پر یکسوئی طمانینت سے عمل پیرا رہے کہ اس کے یہ تشویش و پراگندگی اور مذکورہ مفاسد کے بچاؤ کی کوئی دوسری صورت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرونِ خیر گزر جانے کے بعد دانایانِ امت نے نظم ملت قائم رکھنے اور اسے تشتت و پراگندگی سے بچانے کے لئے اجتہاد و تقلید کا یہ ایک خاص نظام قائم کیا کہ نہ امت کو اجتہاد میں آزاد چھوڑا کہ ہر شخص مجتہد بن کر کتاب وسنت کو اپنے آراء و قیاسات کا کھلونا بنالے اور نہ تقلید میں آزاد چھوڑا کہ جس کی چاہے اور جتنوں کی چاہے تقلیدوں میں چکر کھا کر اپنے نفوس کو تباہ کرے، بلکہ اجتہاد کا دائرہ بھی محدود رکھا جیسا کہ وہ تکویناً بھی محدود تھا اور تقلید کا دائرہ بھی تنگ کیا جیسا کہ وہ عقلاً تنگ ہی تھا کہ غیر معین نہ ہو اور معین ہو کر بھی کسی ایسے فرد کی ہو جو علم وعمل، ورع وتقویٰ، شعور وتشریح، علم لدنی، ادراک خواص، احکامِ اکتشاف، اسرار وعلل، وجدانِ ظواہر وبواطن، احساس جزئیات وکلیات شریعت میں یگانہ ہو، حاذق ہو اور اوپر سے اس کی یہ علمی وعملی

قوت اسباب سے بالاتر ہوکرایک موہبت الٰہی ہوجس کے ماتحت وہ اس آیت کا سچا مصداق ہوکہ:

وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون . (الآیہ)

اور ہم نے انہیں امام بنایا جو ہمارے امر کی ہدایت کرتے ہیں جب کہ انہوں نے صبر اختیار کیااور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے رہے۔

یہاں صبر کے لفظ سے قوت عملیہ کی طرف اشارہ ہے کہ تمام طاعات کا مدار صبر ہے یعنی وہ صبر علی الطاعات اور صبر بین الشہوات میں راسخ القدم جو مطلق عمل سے آگے کا مرتبہ ہے جس کو حدیث جبریل میں احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے، ادھر ایقان سے قوت عملیہ کی طرف اشارہ ہے کہ علوم احساس یقین صادق ہی ہے، یعنی وہ شریعت اور اس کے جزوی اور کلی مقاصد کے بارہ میں کمال یقین کے ساتھ درجہ معرفت پر آیا ہوا ہو جو ایمان سے آگے کا مرتبہ ہے جس کو قرآن نے اطمینان سے تعبیر کیا ہے۔ ولكن ليطمئن قلبی۔

قول ضعیف پر عمل

ضرورۃً اپنے مذہب کے قول ضعیف پر بھی عمل جائز ہے، شامی میں ہے:

وقيده البيرى بالعامى اى الذى لا رأى له يعرف به معنىٰ النصوص حيث قال: هل يجوز للإنسان العمل بالضعيف من الرواية فى حق نفسه؟ نعم اذا كان له رأى . اما اذا كان عاميا فلم أره لكن مقتضى تقييده بذى الرأى انه لا يجوز للعامى ذٰلک. قال فى خرانة الروايات: العالم الذى يعرف معنىٰ النصوص والاخبار وهو من اهل الرواية يجوز له ان يعمل عليها وان كان مخالفًا لمذهبه اهـ. قلت: ولكن هذا فى غير موضع الضرورة فقد ذكرفى

حیـض البـحـر فی بحث الوان الدماء اقوالاً ضعیفة ثم قال: وفی المعراج عن فـخـرالائـمة لـوافتـی مـفتـی بشیئ من هذه الاقوال فی مواضع الضرورة طلباً للتیسیر کان حسناً،وکذاقول ابی یوسف فی المنی: اذا خرج بعد فتور الشهوة لایـجب به الغسل ضعیف واجازوا العمل به للمسافر و الضیف الذی خاف الریبة کما سیأتی فی محله .

(شامی : ۱/ ۵۱،بحر الرائق : ۱/ ۵۸،رسم المفتی : ص/ ۲۶)

احکام حیض میں الوان حیض کے متعلق مختلف ضعیف رائیں ذکر کی گئی ہیں،معراج میں فخر الائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مواضع ضرورت میں طلب سہولت کیلئے کوئی مفتی ان اقوال میں سے کسی قول پر فتویٰ دیدے تو بہتر ہوگا، امام ابو یوسفؒ نے فتور شہوت کے بعد خروج منی کی صورت میں کہا ہے کہ غسل واجب نہیں ہوگا یہ قول ضعیف ہے،لیکن مسافر یا مہمان جو تہمت کا خوف رکھتا ہوا گر اس پر عمل کرے تو ایسا کرنا درست ہوگا،اور غسل واجب نہ ہوگا کہ یہ ضرورت کے مواقع میں سے ہے۔(شامی:۱/۵۱)

اسی طرح صاحب ہدایہ نے مختارات النوازل میں لکھا ہے: **قـال فی فصل النجاسة والـدم: اذا خـرج من القروح قلیلاً قلیلاً غیر سائل لیس بمانع وان کثر وقیل لو کان بحال لو ترکه یسل یمنع.**

پھر اس مسئلہ کو نواقض وضوء میں ذکر کیا ہے،مولانا مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے،صاحب ہدایہ سے پہلے کسی نے بیان ہی نہیں کیا،لیکن صاحب ہدایہ اصحاب ترجیح میں سے ہے،لہذا معذور کے لئے ان کی تقلید ضرورۃً جائز ہوگی۔(جواہر الفقہ :۱/۱۶۲)

رسم المفتی میں ہے:

ولا یجوز بالضعیف العمل. ولا یجاب من جاء یسأل(الا لعامل له ضرورة او من له معرفة.(صـ / ۲۶)

خزانة الروایات میں ہے کہ جو عالم دین نصوص واخبار کے معانی سے واقف ہواور اصحاب درایۃ سے ہواسکے لئے نصوص پرعمل کرنا درست ہے گواس کے مذہب کے خلاف ہو۔
(شامی: ج/۱،ص/۵۱)

ائمہ اربعہ کے علاوہ کا قول

سلم الوصول شرح نہایۃ السول میں ہے کہ اگرکسی مجتہداورفقیہ کو مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مذہب کاعلم حاصل ہواور وہ ثقہ عادل سے نقل ہوتا ہوااس تک پہنچااور وہ کتاب وسنت اور اجماع کے مخالف نہ ہوتو بھی صرف اسی مجتہد کواس پرعمل کرنا جائز ہے، وہ دوسروں کواسکے مطابق فتویٰ نہیں دے سکتا۔

ولا یجوز له ان یفتی به غیره فی البلاد التی لم یشتهر فیها ذٰلک المذهب لانه انما وصل الیه فقط بطریقه الآحاد ولم یتواتر ولم یشتهر فی تلک البلاد.(سلم الوصول : ج/ ۲،ص/ ۶۲۴)

مصر کے متعلق فرماتے ہیں کہ مذہب اربعہ کے علاوہ مذہب اس ملک میں حدشہرت کونہیں پہنچاہے،لہذامصرمیں مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی مجتہد کے قول پرفتویٰ دیناجائزنہیں ہے۔

غیران دیارنا المصریة لم یعرف ولم یشهر غیر مذاهب ائمة اربعة فهی التی دونت کتبها فی بلادنا وغیرها من سائر الامصار فلا یجوز الافتاء فی هذه البلاد التی اشتهر فیها مذاهب الائمة الاربعة الا بواحد منها، ولهذا قال بعض العلماء فی مذاهب الائمة الاربعة : وواجب التقلید حبر منهم. وکذا

حکی القوم بلفظ یفهم .

وجائز تقلید غیر الاربعة فی غیر افتاء وفی هذا سعة .

(سلم الوصول: ۲/ ۶۲۵ ،اصول الفقه اسلامی : ۲/ ۱۱۶۸)

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ہندوستان وماوراءالنہر میں امام صاحب کے مذہب کی تقلید ضروری ہے ۔(الانصاف :۶۹، ۷۰) النہرالفائق شرح کنز الدقائق میں بھی اسطرح مذکور ہے۔

حضرت تھانویؒ سے سوال کیا گیا: سوال: ائمہ اربعہ شریعت میں سے آپ کے نزدیک باعتبار قوتِ دلیل کس کا مذہب قوی ہے، اور باعتبار احتیاط کے کس کا اور باعتبار سہولت کے کس کا؟ جواب: یہ سوال جب کیا جاسکتا ہے جب دوسرے مذہب کی تقلید تام ممکن ہو اور ہندوستان میں یہ ممکن نہیں ۔(امداد الفتاویٰ: ج ۴/، ص /۶۲۳)

ابن تیمیہؒ نے ایک قصہ نقل کیا ہے کہ مجھ سے محمد بن یحییٰ نے قاضی ابویعلی سے نقل کیا کہ انہوں نے ایک فقیہ کا قصد کیا تاکہ ان سے امام کے مذہب کے مطابق مسائل کا علم حاصل کرے، انہوں نے (فقیہ) ان کے شہر کے متعلق دریافت کیا، قاضی ابویعلیٰ نے بتایا کہ میرے شہر کے لوگ شافعی مذہب کے مطابق عمل کرتے ہیں تو فقیہ صاحب نے ان سے کہا کہ جب تمہارے سارے شہر والے شافعی مذہب پر ہیں تو تم نے مذہب شافعی سے عدول کیوں کیا؟ تم نے صرف لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہے، یہ تمہارے لئے درست نہیں ہے کیوں کہ جب پورے شہر میں تم اکیلے مذہب احمدؒ پر ہوں گے تو کسی کو بھی اپنے ساتھ عبادات اور درس وتدریس میں شریک نہیں کرسکتے ہیں۔

بل کونک علی مذهب الشافعی واهل بلدک علی مذهبه اولی .

(المسوده : ۴۸۳)

لہذا ائمہ اربعہ کے متفق علیہ مسئلہ کو چھوڑ کر دیگر ائمۂ مجتہدین کے قول پر عمل نہ کیا جاوے البتہ فقہاء اصولیین کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید ضرورت کے وقت ہی عدول کی گنجائش ہے اور وہ بھی محرمات شرعیہ میں نہیں جہاں احتیاط ہی اولیٰ ہوتا ہے، حضرات اصولیین نے تو تقلید صحابی سے بھی منع کیا ہے ۔(شرح اسنوی :ج ۳/ص/ ۳۵۰ ، کتاب المیز ان :ص/ ۲۶،فواتح الرحموت: ج /۲،ص/ ۴۰۶)

علامہ نابلسیؒ نے تقلید صحابی سے عوام کو روکنے پر اجماع نقل کیا ہے۔

(خلاصہ التحقیق :ص/ ۳)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانیؒ صاحب فقہ اکیڈمی دہلی کے ایک افتتاحی اجلاس کے موقع پر فرماتے ہیں:

''اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علماء کے نقطۂ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے کہ علماء باہم سر جوڑ ان مسائل کا حل امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں جو آج امت کے لئے چیلنج بنے ہوئے ہیں، لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ وقت کا بہت بڑا تقاضہ ہے کہ علماء یہ کام کریں تو مجھے چند وہ جملے بھی یاد آتے ہیں جو بسا اوقات مختلف حلقوں کی طرف سے بار بار اٹھائے جاتے ہیں کہ علماء کو وقت کے تقاضے کے پیچھے چلنا چاہئے ،علماء کو وقت کے تقاضوں کے مطابق کام کرنا چاہئے اور وقت کے تقاضوں کو سمجھنا چاہئے ، یہ جملہ جس اجمال کے ساتھ بولا جاتا ہے اس کا صحیح مطلب بھی ہوسکتا ہے اور غلط مطلب بھی ہوسکتا ہے ۔وقت کے تقاضہ کا مفہوم بسا اوقات لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب سے جو ہوا چل کر آوے ،مغرب سے جو فکر ، جو فلسفہ ، جو نظریہ اور جو طرز عمل ہمارے ملکوں میں درآمد ہوگیا ، بجائے اس کے کہ اس کو بدلا جائے، اس کے بجائے اسلام کو بدل کر اس کے مطابق کیا جائے ،اسے وقت کا تقاضہ قرار دیا جاتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ سود، ربوا کا چلن ہوا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ صاحب اس

وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان سود کو جوں کا تو قبول کرلیں ،ایک زمانہ آیا کہ اشتراکیت اورسوشلزم کا ڈنکا بجا، اورانہوں نے دنیا کے اندراپنے نظریات کو پھیلانا شروع کیا، دنیا کے مختلف ملکوں اورسلطنتوں میں ان کا نظام رائج ہوا،اس کا شورشرابہ ہوا تواس کے نتیجہ میں ایک جماعت نے یہ کہنا شروع کردیا کہ سوشلزکو،اشتراکیت کواسلام کے مطابق ڈھال دیا جائے، وقت کا تقاضہ یہ ہے۔غرض جونئی وبا مغرب سے درآمد ہوا اسلام کواس کے مطابق بنانے اوراس کواسلام کے اندرداخل کرنے کے لئے وقت کے تقاضہ کاعنوان استعمال کرلیا جاتا ہے۔

یہ ''مجمع الفقہ الاسلامی'' درحقیقت ایسے وقت کے نام نہاد تقاضوں کے پیچھے نہ ہے اورنہ ہوگی ان شاءاللہ تعالی، یہاں وقت کے تقاضوں سے مراد یہ ہے کہ بےشمار مسائل آپ کی زندگی کے اندرایسے پیش آگئے ہیں کہ ہمیں ان کا صریح حکم کتاب اللہ میں یا سنت رسول اللہ ﷺ میں یافقہاء کرام کے کلام میں نہیں ملتا، جسے آپ اصطلاحی اعتبار سے ''اجتہاد فی المسائل'' کہہ سکتے ہیں،تواجتہاد فی المسائل کے ذریعہ ان مسائل کاحل تلاش کیا جائے اوروسعت نظر کے ساتھ کیا جائے ، پورے اسلامی مزاج کے ساتھ کیا جائے ،اس کے اندرکسی اجنبی نظریہ اورفلسفہ سے مرعوب ہوکرنہیں ، بلکہ حقیقی اسلامی ضروریات کومدنظر رکھتے ہوئے اس کاحل اسلامی اصولوں کے دائرہ میں رہ کرتلاش کیا جائے اوراس سے باہر نہ جایا جائے ،یہ ہے مجمع (اکیڈمی) کااصل مقصداوراسی لئے اس میں الحمدللہ مختلف الخیال،مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اورپچھلے دنوں جوتحقیقات سامنے آئی ہیں،اللہ کے فضل وکرم سے ان میں بنیادی اصولوں کالحاظ نظرآتا ہے،امید ہے کہ یہ اکیڈمی ان راستوں پر چلے گی ،توان شاءاللہ اس امت کے لئے بہترین مسائل کاحل پیش کرے گی۔

لیکن میں آخرمیں اس سلسلہ کے ایک اہم نکتہ کی طرف آپ حضرات کوتوجہ دلانا

چاہتا ہوں ، بلکہ توجہ دلانا بے ادبی کی بات ہوگی ،سارے حضرات اکابر علماء ہیں ،محض تذ کیراً اور تکرار کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں ،وہ یہ کہ چوں کہ ہم ایک ایسے معاشرہ میں جی رہے ہیں جس میں مغرب کا سیاسی اور فکری تسلط قائم ہے،سیاسی اعتبار سے پوری دنیا کے اوپر مغرب مسلط ہے ،فکری اعتبار سے بھی مغرب کے افکار اور ان کے نظریات وفلسفے مسلط ہیں ، اور یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ ''جس کا لاٹھی اس کی بھینس''،جس کے پاس ہتھیار اور جس کے پاس قوت ہو تو لوگوں کو بات بھی اسی کی سمجھ میں آتی ہے اور جلدی سے سینے میں اتر جاتی ہے،تو اس واسطے مغرب نے جو افکار ہمارے یہاں پھیلا دیئے اور صدیوں کی محنت کے بعد پھیلائے ، ہمارے نظام تعلیم کے اندر وہ افکار پھیلا دیئے ،ان کی موجودگی میں اس بات کا بڑا قوی اندیشہ ہے کہ بعض ایسی چیزوں کو وقت کی ضرورت قرار دیا جائے جو درحقیقت وقت کی ضرورت نہیں ہیں، محض مغرب کے پروپیگنڈہ نے اسے وقت کی ضرورت قرار دے دیا، یہ ''وقت کی ضرورت'' ایک ایسا مجمل لفظ ہے جس کے اندر بہت کچھ سما سکتا ہے،اس لئے وقت کی ضرورت کے ہتھیار کو استعمال کرتے ہوئے ان کے دودھاریں اپنے ذہن میں رہنی ضروری ہے، یہ دودھاری ہتھیار ہیں، اس سے امت مسلمہ کے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں اور اس سے امت مسلمہ کا کام بھی تمام ہو سکتا ہے ،اس لئے ہم جب وقت کی ضرورت کا لفظ استعمال کریں تو یہ بات ہمارے ذہن میں ہونی چاہئے کہ محض پروپیگندہ کے شوروشغب سے مرعوب ہو کر ہم یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ یہ بھی وقت کی ضرورت ہے، بلکہ ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے اپنے اصول ، ہمارے اپنے قواعد کے لحاظ سے یہ ضرورت ہے یا نہیں؟

اسی ضمن میں یہ سوال بہ کثرت اٹھتا ہے کہ کیا ان مسائل کو طے کرتے وقت کسی ایک فقہی مذہب کی پیروی کرنی چاہئے ، یا مختلف فقہی مذاہب کو سامنے رکھ کر اور اس میں سے جو ضرورت کے مطابق معلوم ہو اس کو اختیار کر لینا چاہئے۔

میں خاص طور پر آپ حضرات سے باادب عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خاص اس دور میں معاملات کے شعبہ میں چونکہ معاملات پیچیدہ ہوتے ہیں، بے شمار مسائل سامنے آگئے ہیں، لہذا اگر ایک شخص حنفی مذہب کا پیروکار ہے اور وہ کسی ضرورت کی وجہ سے ،عموم بلویٰ کی خاطر وہ مسائل وقت کو حل کرنے کی خاطر دوسرے کسی امام کے قول کو اختیار کرلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، یہ جائز ہے اور نہ صرف جائز ہے بلکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو باضابطہ وصیت فرمائی تھی کہ اس دور میں جب کہ معاملات پیچیدہ ہوگئے ہیں اگر ائمہ اربعہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی بھی فقہی مذہب میں کوئی گنجائش مل جائے تو اس دور کے لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنی چاہئے۔

لیکن اس میں ادق ترین نکتہ ہے جو بسااوقات افراط وتفریط کا شکار ہوکرفراموش ہوجاتا ہے ،وہ یہ ہے کہ مختلف مذاہب میں سے ''عموم بلویٰ'' کی خاطرکوئی قول اختیار کرلینا اور بات ہے ،اور اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کی خاطر مذاہب (فقہی مسالک) کو گڈ مڈ کرنا بالکل جدا شئی ہے،یعنی اگر کوئی شخص محض اس بنیاد پر کہ میری خواہش نفسانی ، میرے مفاد ایک مذہب سے پورے ہورہے ہیں دوسرے سے پورے نہیں ہورہے ہیں،تو اس بنیاد پر اگر وہ ایک مذہب کو چھوڑ کر اپنے ذاتی مفاد کی خاطر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے تو اس کی کسی کے نزدیک اجازت نہیں ، یہ اتباع ہویٰ ہے، یہ خواہشات نفسانی کی اتباع ہے، یہ شہوت پرستی ہے۔

آج جب کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے یہ عام رجحان پیدا ہوا، پورے عالم اسلام میں خاص طور پر عرب ممالک میں یہ رجحان بہت پیدا ہوا کہ ان معاملات کو حل کرنے کے لئے مختلف مذاہب سے رہنمائی حاصل کی جائے ،اور کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کی جائے ، جب یہ لے آگے بڑھی تو اس نے ''جمع بین المذاہب'' کا راستہ اختیار کرلیا، اتباع ہویٰ کے بارے میں

علامہ ابن تیمیہ فتاویٰ کے اندر لکھتے ہیں:

''اگر کوئی شخص ذاتی خواہش کی خاطر دوسرے مذہب کو اختیار کرتا ہے تو یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں، بلکہ حرام ہے''۔ حالانکہ علامہ ابن تیمیہ تقلید کے سخت مخالف ہیں، اتباع ہویٰ کو وہ بھی حرام قرار دیتے ہیں۔

اس لئے میری گزارش یہ ہے کہ بے شک دوسرے مذاہب (فقہی مسالک) خاص طور پر معاملات کے اندر، دوسرے مذاہب سے لے لینے کی گنجائش ہے، لیکن یہ اس وقت جب کہ واقعی کوئی ضرورت داعی ہو اور واقعۃً اس سے مسلمانوں کے کسی اجتماعی مسئلہ کا حل نکلنا مقصود ہو، اس صورت میں اس کی گنجائش ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ یہ علماء کا مجمع ہے ان کے سامنے کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن یہ اس لئے میں نے تذکیر اور تکراراً عرض کردی کی جب ہم کسی ایک جانب جھکیں تو ایسا نہ ہو کہ دوسری جانب کا خیال ہمارے دل سے اوجھل ہو، یہ کام بڑا نازک ہے، یہ پل صراط ہے، تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے، اس میں اس کا خیال رکھنا ہے کہ وقت کی ضروریات پوری ہوں، مسلمانوں کے مسائل حل ہوں، اس شریعت کے اندر اللہ تعالی نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ یہ آنے والے ہر بڑے سے بڑے مسئلہ کا حل رکھتی ہے اور جب یہ تصور آپ سامنے رکھتے ہوئے جواب دیں گے تو ان شاء اللہ امت کے مسائل حل ہوں گے۔

(دین کی تفہیم وتشریح: ص/۸ تا ۱۲)

****

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۂ بحث

قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص میں جہاں احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہیں اتباع ہویٰ سے بار بار منع فرمایا گیا، اسی لئے حضرات فقہائے کرام احکام میں اتباع ہویٰ کے سخت مخالف ہیں۔ دوسری طرف یہ بات بھی تجربہ سے معلوم ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ جس مسئلہ میں جس امام کے مسلک پر عمل کرنا چاہے کر سکتے ہیں تو وہ دین کو کھلونا بنا دیں گے لہذا اتباع ہویٰ سے بچنے کا واحد راستہ یہی ہے کے عوام کو امام واحد کی تقلید پر مجبور کیا جاوے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ (ج:۲،ص/۲۴۰) میں تفصیل سے یہ بات لکھی ہے کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ جو شخص خواہشات کی پیروی کرنے کیلئے ائمۂ مجتہدین کے مذاہب تلاش کرتا ہے اور اپنی خواہش پر عمل کر کے اسکو کسی امام کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ کا متبع نہیں بلکہ متبع ہویٰ ہے **لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح الذریعة ان یکون التحرم والتحلیل بحسب الاھواء** اسی طرح کتاب المیز ان میں بھی ہے۔

جب یہ بات متعین ہوگئی کہ سلف کے اقوال وتحقیقات پر اعتماد ضروری ہے، تو پھر یہ ضروری ہو گیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے وہ سند صحیح سے مروی، مشہور کتابوں میں مدون ہوں اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح ومرجوح اور عام وخاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں یہ پتہ چل سکے کہ اس میں قید کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو، اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب واجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں

ہوگا ،ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے، جن میں یہ صفات پائی جاتی ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہو، سوائے ان مذاہب اربعہ کے۔"

(اجتہاد کی حاجت وضرورت :ص ر۱۷، ۱۸)

تتبع رخص عام حالات میں تشہی ،لہوولعب اور خواہشات کی پیروی کی بنیاد پر نا جائز ہے، ہاں !اگر کسی خاص مسئلہ میں عذر یا مرض کی ضرورت کی بنیاد پر ہوتو مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت نے جہاں خواہشات کی اتباع اور لہوولعب سے روکا ہے وہیں دوسری طرف احکام میں یسر وسہولت کے پہلو کی رعایت کی ہے، اور دین میں اللہ تعالیٰ نے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے لہٰذا اس مسئلے میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ضروری ہے۔

مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں ائمہ کے اقوال میں آسان قول کو اختیار کرنے کے سلسلے میں کوئی ضابطہ مقرر کر دیا جائے، تا کہ تباہ کن اباحت پسندی اور دین سے متنفر کرنے والی تنگی دونوں کا سد باب ہو سکے، اس سلسلہ میں درج ذیل اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) "الامر إذا ضاق اتسع " مشہور فقہی قاعدہ ہے، اس کی رو سے جب کسی مسئلہ میں تنگی پیدا ہوگی تو شریعت اس تنگی کو دور کر کے وسعت پیدا کرے گی، تو جب کسی مبتلی بہ کو کسی امر میں ایسی تنگی ،حرج اور دشواری پیش آئے، جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا تو ایسی صورت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ کسی دوسرے امام کے قول کو اختیار کرے جس میں دفع حرج ومشقت ہو۔

(۲) لیکن اس صورت میں اس پر لازم ہوگا کہ وہ ان ارباب علم وذکر اور اصحاب فتوی

سے رجوع کرے جو دین کا گہرا علم رکھتے ہوں، اور ورع وتقویٰ کی صفت سے متصف ہونے کی وجہ سے دین کی اساس اور بنیاد سمجھے جاتے ہوں، تاکہ وہ خواہش نفس اور شیطان کے مکروفریب کا شکار نہ ہو، کیوں کہ ایک عامی انسان بسا اوقات ضرورت اور اتباع ہوی کے درمیان فرق نہیں کرسکتا ہے۔

(۳) اس پر لازم ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب سے تجاوز نہ کرے جو صدیوں سے مدون اور منقح صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں اور جن پر زمانہ قدیم سے عمل ہوتا چلا آرہا ہے! کیوں کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کے مذاہب جو فقہی کتابوں کے ذخیروں میں منقول ومذکور ہیں وہ عام طور پر ثقہ راویوں کی روایت سے مروی نہیں ہیں اور ثقہ علماء فقہاء کی زبانی ہر دور میں تواتر کے ساتھ نقل نہیں ہوئے ہیں، اسی طرح وہ شرائط اور قیود بھی ہمیں معلوم نہیں ہیں جو ان کے نزدیک معتبر رہی ہوں گی۔

(۴) لیکن اگر مسئلہ عموم بلوی کی وجہ سے اجتماعی ہوگیا ہو یا ایسا مسئلہ جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی یا نئے عرف کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، خاص طور پر لوگوں کے معاملات، مثلاً: تجارت، صنعت وحرفت اور تجار، صنعت کار اور اہل پیشہ کی عادات سے متعلق ہو، خصوصاً بین الاقوامی معاملات میں، تو ایسی صورت میں علماء راسخین اور اصحاب تقویٰ فقہائے کرام پر لازم ہے کہ وہ ان مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل شریعت کے مقاصد اور قواعد کلیہ کی روشنی میں نئے حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ تلاش کریں اور ان کے لئے ائمہ ہدی میں سے کسی ایک کے قول سے دوسرے کے قول کی طرف درج ذیل شرطوں کے ساتھ عدول کرنا جائز ہے:

(۱) دوسرا قول شاذ نہ ہو۔

(۲) نص سے ٹکراتا نہ ہو۔ (مباحث فقہیہ :۱۸۲)

ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کولیکراس چیز کے جواز پر فتویٰ ہوسکتا ہے جسکا جواز مذہب غیر میں منصوص ہو۔ غیر مجتہد کو یہ جائز نہیں کہ منصوص فی مذہب الغیر پر قیاس کر کے کسی ایسی چیز کا جواز ثابت کرے جو دوسرے مذہب میں منصوص نہ ہواور پھر ضرورت کی وجہ سے اس اپنے مستخرجہ جواز پر فتویٰ دے جیسے کہ بعض لوگوں نے علامہ شامی کے زمانہ میں ضرورۃ کا دعویٰ کر کے تلاوت قرآن علی القبر وغیرہ کی اجرت کو جائز رکھا تھا۔

حاصل یہ کہ افتاء بمذہب الغیر ہر زمانہ میں جائز ہے، بشرطیکہ سخت ضرورت ہو کہ مذہب غیر کیلئے بدون کوئی تکلیف نا قابل برداشت پیش آجاوے۔ (الحیلۃ الناجزۃ: ص/۵۰)

اورایک شرط مذہبِ غیر پر عمل کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع نہ ہو، حتی کہ صاحب درمختار نے اس پر اجماع بایں الفاظ بیان کیا ہے: **ان الحکم الملفق باطل بالاجماع**

ان اقوالِ مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عملِ واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہواور دو عمل جداگانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے، گو ظاہراً خلاف اجماع لازم آتا ہو مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص ربع رأس سے کم مسح کرے تو حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ہوتا، پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہواور مسح کرے ربع رأس سے کم کا تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا۔ اور یہ تلفیق خارق اجماع ہے اور اگر کسی نے وضو میں چوتھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر، مگر وضو جدا عمل ہے اور نماز جدا، اس واسطے

یہ تلفیق منع نہیں۔

اور ضرورتِ شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دیدینا بھی جائز ہے، لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں بلکہ بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہوسکتا ہے کہ جب تک محقق ومتدیّن علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے؛ کیوں کہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہویٰ کی بناء پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں اور نیز یہ بھی ضرور ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاد سے فن حاصل کیا ہو اور اہل بصیرت اس کا فقہ میں مہارتِ تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہو۔

مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے۔

کسی دوسرے امام کا قول اختیار کرنے کے لئے چند باتوں کا اطمینان کر لینا ضروری ہے۔

(۱) سب سے پہلے تو یہ کہ واقعۃً مسلمانوں کی اجتماعی ضرورت متحقق ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ محض تن آسانی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر لیا جائے، اس اطمینان کا طریقہ یہ کہ کوئی ایک مفتی خود رائے کے ساتھ یہ فیصلہ نہ کرے بلکہ دوسرے اہل فتوی حضرات سے مشورہ کر لے، اگر وہ بھی متفق ہو تو اتفاق رائے کے ساتھ ایسا فتوی دیا جائے۔

(۲) جس امام کا قول لیا جائے اس کی پوری تفصیلات براہ راست اس مذہب کے اہل

فتوی علماء سے معلوم کی جائیں۔محض کتابوں میں دیکھنے پر اتفاق نہ کیا جائے کہ بسا اوقات اس قول کی بعض ضروری تفصیلات عام کتابوں میں مذکور نہیں ہوتی اوران کے نظر انداز کردینے سے تلفیق کا اندیشہ رہتا ہے۔

(۳)ائمۂ اربعہ سے خروج نہ کیا جائے کیوں کہ ان حضرات کے علاوہ کسی بھی مجتہد کا مذہب مدون شکل میں ہم تک نہیں پہنچا اور نہ ان کے متبعین اتنے ہوئے ہیں کہ ان کا کوئی قول استفاضہ یا تواتر کی حد تک پہنچ جائے۔(البلاغ:ص/۴۲۰)

ضرورت کا استعمال:- طین شارع کو محض ضرورت ودفع حرج کیلئے طاہر قرار دیا گیا ہے، ماقبل میں قلتین کے مسئلہ پر عمل کی امام ابو یوسفؒ کی روایت بلکہ عمل گذر چکا،اسی طرح بحرالرائق کے حوالے سے جمع بین الصلاتین کی روایت ذکر کی گئی۔

اسی طرح وہ امور جو عبادات ومعاملات میں دائر ہیں یعنی نکاح وطلاق اسمیں بھی مذہب غیر اپنایا گیا ہے،مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔(شامی:ج/۳،ص/۳۳۰)اسی طرح عدت کی بعض صورتوں میں بھی مالکیہ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

معاملات بیع وشراء اور شرکت وغیرہ تو اور بھی اہون ہیں،فقہائے کرام عرف وتعامل کی بنیاد پر توسع اختیار فرماتے رہے ہیں، ماقبل میں استصناع کی مثال گذر چکی۔عرف کی وجہ سے تو نصوص میں اور بھی تخصیص کردی جاتی ہے۔تعامل کی وجہ سے قیاس کو بھی نظر انداز کیا جاتا ہے۔(بدائع:ج/۵،ص/۱۷۲)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:اختلاف مسائل میں اگر ابتلائے عام ہوتو اسکو بھی جائز ہی بتلائیں گے۔وجہ اسکی یہ ہے کہ شریعت میں وسعت ہے اور معاملات بہت گندے ہورہے ہیں؛ اگر مختلف فیہ امور کو حرام بتلایا جاوے گا تو اگر اس پر کوئی عمل کرے گا تو اسکو تنگی ہوگی،جس کا نتیجہ

یہ ہوگا کہ وہ شریعت کو تنگ سمجھنے لگے گا ،اس لئے تنگی میں غلو نہ کرنا چاہئے ،اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ وسعت ہونے سے اعتقاد درست ہوگا کہ شریعت کیسی اچھی چیز ہے اور کیسی رحمت ہے۔

(فقہ حنفی کے اصول وضوابط)

حضرت تھانویؒ ضرورت پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ’’ضروری چیز کا معیار یہ ہوا گر وہ نہ ہوتو کوئی ضرر مرتب ہو‘‘۔ (مجالس حکیم الامت :ص/۱۰۳) ’’ہر چیز کی ضرورۃ کا معیار یہ ہے: جس کے بغیر تکلیف ہو وہ ضروری ہے اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے۔‘‘ (امداد الفتاویٰ: ج/۴،ص/۹۴)

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ ضرورت ومقتضیات زمانہ کی وجہ سے بھی احکام میں تغیر ہوتا ہے۔ بہت سے احکام زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں اسلئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہوتی ہے، اہل زمانہ میں فساد پیدا ہوجاتا ہے۔اب اگر شرعی حکم پہلے کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور باعث ضرر ہوگا اور ان اصول وقواعد کے خلاف ہوگا۔ سہولت وآسانی اور نظام کائنات کو عمدہ طریقہ پر رکھنے کیلئے ضرر فساد کے ازالے پر مبنی ہے۔ (رسائل ابن عابدین: ج/۱،ص/۱۲۶)

جنون کی وجہ سے فسخ نکاح کے قائل صرف امام محمدؒ ہیں لیکن ضرورت کی وجہ سے ان کی رائے شیخین کے مقابلے میں قبول کی گئی ۔ (عالمگیری :ص/۱۳۴) تعلیم قرآن، امامت، اذان اسی سلسلہ کے مسائل ہیں۔

علامہ شامیؒ نے حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ اگر صاحبین کی رائے امام صاحب کے موافق ہوتو اس سے بلاضرورۃ تجاوز نہ کیا جاوے، مگر جب اندازہ ہو کہ اگر امام صاحب موجود ہوتے تو وہ بھی یہی رائے قائم فرماتے ۔ (رسم المفتی :ص/۷۰)

فقیہہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں: جب امام اعظم کے مذہب میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی قول نہ ملے تو امام مالکؒ کے مذہب کی طرف رجوع کیا جاوے، کیونکہ وہ سارے مذاہب میں ہمارے مذہب سے سب سے زیادہ قریب ہے۔(شامی: ج۲/ص/۵۲۸)

اگر کوئی حنفی اپنی وسعت نظر، جودتِ فہم، صفائی باطن یا کسی اور داعیۂ قویہ کی بناء پر کسی دوسرے امام کی دلیل کو قوی سمجھ کر اس پر عمل کرے تو وہ شخص حنفیت سے خارج نہیں ہوگا، "والحاصل ان ماخالف فيه الاصحاب امامهم الاعظم لايخرج عن مذهبه إذا رجحه المشائخ المعتبرون، وكذا مابناه المشائخ على العرف الحادث لتغير الزمان او للضرورة ، ونحو ذلک لايخرج عن مذهبه ايضا لأن مارجحوه لترجح دليله عندهم مأذون به من جهة الإمام الخ"(شرح عقود رسم المفتی ، ص : ٦٨ ،).

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ فقہاء کی عبارتوں میں یہ تعارض حقیقی تعارض نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ان دو مختلف صورتوں سے ہے کہ اگر فقہاء ایسے تفردات اور نوادر کو اپنے عمل کی بنیاد بنائیں جو امت کے سواد اعظم کی رائے اور مسلک کے خلاف ہو تب تو یہ صحیح نہیں، ورنہ اگر امت کو کسی تنگی سے نکالنا اور کوئی سہولت پیدا کرنا مقصود ہو تو اس کی اجازت ہے، کتب فقہ میں کثرت سے اس کی نظیریں موجود ہیں۔

اگر تفردات اور نوادرات کو اپنے عمل کی بنیاد بنائے جو امت کے سواد اعظم کی رائے کے خلاف ہو تو صحیح نہیں، ورنہ اگر کسی تنگی سے نکالنا ہو تو اسکی اجازت ہے، کتب فقہ میں اسکی بہت سی نظیریں ہیں۔

ضرورت شرعی سے مراد وہ ضرورت ہے جسے علماء راسخین فی العلم جو کہ تقویٰ وطہارت کی

صفات عالیہ سے متصف ہوں وہ ضرورت قرار دیں، اگر وہ واقعی ضرورت سمجھیں کہ اس وقت مذہب غیر پر عمل کئے بغیر چارہ نہیں ہے تو وہ ضرورت شرعی سمجھی جائے گی، اور اس وقت مذہب غیر پر بقدر ضرورت عمل جائز ہوگا۔ ضرورت کی تعیین ہر مسئلہ اور واقعہ میں الگ ہوگی اور عوام تو عوام ہی ہے؛ عام علماء کو بھی اسکی تعیین کی اجازت نہیں، اسکا فیصلہ صرف راسخین فی العلم متقی علماء ہی کر سکتے ہیں جو شاذ و نادر ہیں، اسکی واضح مثال مسئلہ مفقود ہے کہ علماء نے جب مذہب مالکیہ پر فتویٰ دینے کی ضرورت محسوس کی تو اس کا فتویٰ صادر فرمایا لیکن اس میں احتیاط کے تمام پہلو مدنظر رکھ کر یہ فیصلہ دیا گیا۔ (احسن الفتاویٰ : ۱/۴۲۰)

اس پرفتن دور میں جبکہ تبحر علمی اور تفقہ فی الدین کا فقدان ہے قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ وائمہ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید مسائل اور پیش آمدہ غیر منصوص صورتوں کو حل کرنے کیلئے اجماعی وشورائی طریقہ ہی اپنایا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بالترتیب مرتدین سے قتال، دادا کی میراث اور شراب کی سزا کے بارے میں صحابۂ کرام نے اجتماعی طریقہ سے مسائل حل فرمائے۔

صحابۂ کرام کی طرح حضرات تابعین بھی مشورہ اور اجتماعی طریقہ سے مسائل حل کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں فقہاء کرام کی جماعت موجود تھی جنکو فقہاء اہل مدینہ کہا جاتا تھا، جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو یہ سب ملکر غور وخوض کر کے فیصلہ فرماتے، انکی تحقیق کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ نہ کرتا تھا۔

تلفیق کی اصطلاحی تعریف: **القیام بعمل یجمع فیه بین عدة مذاهب حتیٰ لا**

یمکن اعتبار ھذا العمل صحیحًا فی ای مذھب من المذاھب ایک عمل میں دو مسئلوں میں دو مختلف فقہاء کی رائے کو اس طرح قبول کرنا ہے کہ بحیثیت مجموعی وہ عمل ان میں سے کسی کے نزدیک بھی درست قرار نہ پائے۔(**معجم لغة الفقهاء : ١٤٤**) اگر دو علیحدہ مسئلوں میں مختلف فقہاء کی رائے پر عمل کیا جاوے تو وہ دونوں ایک دوسرے سے منسلک اور وابستہ ہوں اسکا شمار تلفیق میں نہ ہوگا۔ مثلاً فقہ شافعیؒ کے اصول پر کپڑے پاک کئے اور فقہ حنفی کی رعایت کرتے ہوئے نماز اداء کی تو کپڑے کی پا کی فقہ حنفی میں اور نماز کی صحت فقہ شافعی میں تسلیم شدہ نہ ہو، پھر بھی یہ عدول درست ہوگا۔

الحلیۃ الناجزہ کے حوالے سے گذر چکا کہ ہمارے نزدیک ان اقوال مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق للاجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جداگانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے گو ظاہرا خلاف اجماع لازم آتا ہے مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرلے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص ربع رأس سے کم مسح کرلے تو حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی شخص اسطرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور مسح کرے ربع رأس سے کم کا، تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا۔اور یہ تلفیق خارق اجماع ہے،اور کسی نے وضو میں چوٹھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر مگر وضو جداگانہ عمل ہے اور نماز جدا اس واسطے یہ تلفیق منع نہیں۔

مفتی شفیع صاحبؒ خلاصہ نقل کرتے ہیں کہ مجتہد کیلئے بعض مسائل میں مذہب غیر اختیار کرنا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے (١) اسکا یہ عمل ایسی تلفیق کو لازم نہ ہو جس کے باطل ہونے پر دونوں اماموں کا اجماع ہو جیسا کہ تحریر الاصول، الاِحکام اور اسنوی وغیرہ کتب میں گذرا۔

(۲) مذہب غیر کا اختیار کرنا اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے سے پہلے ہو، اس طرح کہ اس حادثہ میں اپنے امام کے مذہب پر عمل ہی نہ کیا ہو۔

وفی غیر ماعمل به له ان یقلد غیره من المجتهدین.

(تیسیر التحریر: ۴/ ۲۵۴)

(۳) رخصت تلاش کرنے کے لئے نہ ہو کیونکہ عامی کیلئے بالاجماع اسطرح کرنا جائز نہیں ہے، مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ متقدمین مشائخ نے ضرورۃ شدیدہ اور عموم بلوی کی شرط نہیں لگائی ہے لیکن اس فساد اور تلاعب بالدین کے زمانہ میں اس شرط کا لحاظ کرنا ضروری ہے جیسے کہ علامہ شامیؒ نے ذکر کیا ہے۔ (جواہر الفقہ :۱/ ۱۶۶)

اجماع ائمہ کو باطل کرنے والی تلفیق قابل اعتبار نہیں ہے، اس کی مثال جیسے کسی آدمی نے وضوء کے بعد پچھنا لگایا اور عورت کو چھولیا پھر بغیر اعادۂ وضوء نماز پڑھی تو وہ بالاجماع باطل ہے ،اسی طرح کسی نے پچھنا کا قول شوافع سے اختیار کیا اور سورۂ فاتحہ کا رکن صلاۃ نہ ہونے کا قول احناف سے لیا اور نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو یہ بھی بالاجماع باطل ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک فاتحہ ترک کرنے سے اور امام صاحبؒ کے نزدیک بے وضوء ہونے کی وجہ سے، یہ عمل واحد میں تلفیق کا حکم ہے، اور اگر صرف دو قول میں ہو عمل میں نہ ہو تو جائز ہے بایں طور کہ احتجام میں شوافع کے قول کو اور مس مرأۃ یا فاتحہ کے عدم رکن ہونے میں احناف کے قول کو ترجیح دی۔

اسی طرح دو عمل میں تلفیق کی اس طرح کہ احتجام کے بعد بلا اعادۂ وضو نماز پڑھی لیکن فاتحہ کو نہیں چھوڑا، دوسری مرتبہ احتجام کے بعد اعادۂ وضو تو کیا لیکن سورۂ فاتحہ کے بجائے ایک آیت پڑھی (یہ بھی جائز ہے)

وہ تلفیق ممنوع ہے جس کا مقصد واجبات وفرائض سے رہائی حاصل کرنا، خواہشات نفس

کی پیروی اورمحرمات شرع کے ارتکاب کے لئے حیلہ جوئی ہو،لیکن صحیح مقاصد کے لئے درج ذیل شرائط کے ساتھ تلفیق جائز ہے۔

اوّل:- تقلید کے طور پر جو عمل ہو چکا ہے اس سے رجوع لازم نہ آئے ،مثلاً: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا:انت طالقة البتة تجھے قطعی اور یقینی طلاق ہے،اوراس کی نیت اس سے تین طلاق کی ہے، پھراس نے اس مسئلہ میں اپنی رائے کو نافذ کیا اور یہ یقین کرلیا کہ وہ عورت اس پرحرام ہوچکی ہے، پھراس کی رائے یہ ہوئی کہ اس طلاق کورجعی قرار دے کراس سے رجعت کرلے اوراسے اپنی زوجیت میں باقی رکھے۔

دوم :- یہ کہ اس سے اس کے لازم اجماعی (یعنی پہلے تقلید کے طور پر عمل کرنے کی وجہ سے جوصورت لازم آتی ہے) سے رجوع لازم نہ آتا ہو،مثلاً: ایک شخص نے بغیر ولی کے نکاح کے صحیح ہونے میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کی ،اورایک بالغہ لڑکی سے بلا ولی نکاح کرلیا تو اس میں شک نہیں کہ اگر نکاح کی صحت تسلیم کر لی جائے تو اس سے طلاق واقع کرنا بھی لازماً صحیح ہوگا،تو اگر یہ شخص اپنی منکوحہ کو جس سے بغیر ولی کے نکاح کیا ہے تین طلاق دے دے، پھر طلاق واقع نہ ہونے میں امام شافعیؒ کی تقلید کرنا چاہے (کہ امام شافعیؒ کے مسلک کی رو سے یہ نکاح ہی صحیح نہیں ہوا، کیونکہ بغیر ولی کے تھا) تو ایسا کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ سابق تقلید کے نتیجے میں لازم آنے والے لازم اجماعی حکم سے رجوع کرنا ہے۔

سوم :- یہ کہ علماء کے نادراورشاذ اقوال کواختیار نہ کرے، کیونکہ علماء کے وہ نادراورشاذ اقوال جنہیں امت نے مسترد کردیا ہے اورقبول نہیں کیا ہے انہیں اختیار کرنا جائز نہیں ہے،امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں : جوشخص علماء کے نادر اقوال کو اختیار کرے گا وہ اسلام سے نکل جائے گا،سلیمان تیمی کہتے ہیں : اگر تو ہر عالم کی رخصت اختیار کرے تو تجھ میں تمام برائیاں جمع

ہوجائیں گی اور علماء کے شاذ ونادر سے مراد وہ اقوال ہیں جنہیں زلات (لغزشیں) کہاجاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ہم تلفیق اور تتبع رخص کومطلقاً مباح قرار دیں تو یہ امت کے لئے فتنہ اور آزمائش ہوگی ، اور شریعت کی ہتک حرمت ہوگی ؛ کیونکہ یہ دونوں اباحت پسندی ، آزادی ، لہوولعب اور خواہش کی پیروی کا سبب بنیں گے ، ہاں اگر قابل اعتماد فقہائے کرام دورِ جدید کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے اور امت سے حرج اور تنگی کو دور کرنے کے لئے ضروری شرائط کے ساتھ رخصت اور تلفیق کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کریں ، تو میری رائے میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ، بالخصوص جب یہ کام علماء راسخین کے اجتماعی اجتہاد کے نتیجہ میں انجام پائے۔

ایک عامی کے لئے کسی نہ کسی مذہب کی تقلید ہی ضروری ہے تو اگر وہ کسی معین مذہب کی تقلید نہیں کرنا چاہتا تو اس کی وجہ عموماً اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ وہ جس مذہب میں جو مسئلہ اس کی خواہش کے مطابق ہو اسے اختیار کرنا چاہتا ہے ، اور اتباعِ ہوا بالاتفاق ممنوع ہے۔

پس جن لوگوں نے عوام کی اس کمزوری کا لحاظ کیا انہوں نے مذہب معین کے التزام کو ان کے لئے ضروری قرار دیدیا ؛ تاکہ اتباع شریعت کے پردے میں اتباع ہویٰ نہ کی جاسکے۔

چنانچہ علامہ نوویؒ نے الکیاہراسی کے قول کی جو مذہب معین کے التزام کو ضروری قرار دیتے ہیں یہ وجہ بیان کی ہے :

”لو جاز اتباع ای مذهب شاء لافضى الى ان يتلقط رخص المذاهب متبعا هواه ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلک يودى الى انحلال ربقة التكليف .(شرح المهذب مقدمه : ص/ ۵۵)

اور جن لوگوں نے مذہب معین کے التزام کو ضروری قرار نہیں دیا ، انہوں نے بھی عدم

اتباعِ ہویٰ کی شرط لگادی اس لئے نتیجہ کے طور پر بالعموم دونوں رایوں میں کوئی فرق نہ ہوگا ،کیونکہ اتباع ہویٰ جس کا منشانہ ہووہ ''یک درگیرومحکم گیر'' کے اصول سے تجاوز ہی کیوں کرے گا۔

مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے رخصت پر عمل اور تلفیق کے سلسلہ میں ہونے والے فیصلہ کو ذکرکرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اکیڈمی اپنے آٹھویں اجلاس منعقدہ بندرسیری بیگاؤن (برونائی) مؤرخہ ۱-۷ رمحرم ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۱-۲۷ رجون ۱۹۹۳ء میں ''رخصت پر عمل کرنے کے احکام'' پر موصولہ تمام مقالات اور مباحثات پر غوروخوض کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کرتی ہے:

۱- ''رخصت شرعی'' سے مراد وہ احکام ہیں جو کسی عذر کو مدنظر رکھتے ہوئے لوگوں کوسہولت پہنچانے کے لئے مشروع کئے گئے ہیں حالانکہ حکم اصلی کا تقاضہ کرنے والے اسباب موجود ہیں۔

شریعت کی دی گئی سہولتوں پر عمل کرنا اگراس کے اسباب موجود ہوں، باتفاق جائز ہے؛ بشرطیکہ رخصت اختیار کرنے کے اسباب بھی موجود ہوں اور دی گئی رخصت کے دائرے سے تجاوز نہ کیا جائے، نیز رخصت پر عمل کے سلسلہ میں شریعت کے مقررہ اصول وضوابط کی رعایت کی جائے۔

۲- ''رخص فقہیہ'' سے مراد فقہی اجتہادات ہیں جن میں کسی چیز کو مباح قرار دیا گیا ہو جب کہ ان کے بالمقابل دوسرے فقہی اجتہادات میں اس چیز کو ناجائز قرار دیا گیا ہو۔

''رخص فقہاء کو اختیار کرنا''، یعنی مجتہدین کے اقوال میں سے آسان قول پر عمل کرنا شرعاً چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، جن کا ذکر دفعہ (۴) میں آرہا ہے۔

۳- عام مسائل میں رخصتوں کا حکم بھی اصل فقہی مسائل کی طرح ہوگا جب کہ رخصت شریعت کی معتبر مصلحتوں کو پورا کرتی ہو، نیز مختلف اقوال میں ترجیح کی صلاحیت رکھنے والے اور تقوی وعلمی امانت کے صفات سے آراستہ علماء نے اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ اس کی اجازت دی ہو۔

۴- مختلف فقہی مسالک کی دی ہوئی رخصتوں پر محض خواہش نفسانی کی وجہ سے عمل کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس طرح شریعت کی پابندی اٹھ جائے گی، بلکہ رخصت پر عمل کرنے کے لئے درج ذیل ضوابط کی رعایت ضروری ہوگی:

(الف) رخصت وسہولت پر مبنی فقہاء کے اقوال جن کو اختیار کیا جانا ہو، وہ شرعاً معتبر اقوال ہوں، شاذ اقوال میں وہ شمار نہ کئے جاتے ہوں۔

(ب) رخصت پر عمل کرنے کی ضرورت کسی مشقت کو دور کرنے کے لئے ہو، خواہ وہ سماج کی عمومی ضروریات ہوں یا خصوصی یا کسی شخص کی انفرادی ضرورت ہو۔

(ج) رخصت پر عمل کرنے والا بذات خود ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہو یا کسی دوسرے ایسے شخص پر اعتماد کر رہا ہو جو ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(د) رخصت پر عمل کے نتیجہ میں دفعہ (٦) میں ذکر کردہ ممنوع تلفیق کا ارتکاب نہ لازم آتا ہو۔

(ھ) اس قول کو اختیار کرنا کسی غیر مشروع مقصد تک رسائی کا ذریعہ نہ بنتا ہو۔

(و) رخصت اختیار کرنے والے کا دل رخصت پر مطمئن ہو۔

۵- مسالک فقہیہ کی تقلید میں تلفیق کی حقیقت یہ ہے کہ کسی ایک ہی مسئلہ کے اندر جس میں ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے دو یا دو سے زائد پہلو موجود ہوں، کوئی مقلد مختلف

ائمہ کے اقوال پر اس طرح عمل کرے کہ ان میں سے کوئی امام اس عمل کا قائل نہ ہو۔

۶- درج ذیل صورتوں میں تلفیق ممنوع ہے:

(الف) محض خواہش نفسانی کے لئے رخصت پر عمل کرنا لازم آتا ہو، یا رخصت پر عمل کرنے کے لئے مقررہ ضابطوں میں سے کسی ایک ضابطہ کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

(ب) کسی حکم قضاء کے توڑنے کا سبب بن جائے۔

(ج) ایک ہی واقعہ میں پہلے کئے گئے عمل کی خلاف ورزی لازم آتی ہو۔

(د) اجماع یا اجماع کے تقاضوں کی مخالفت لازم آتی ہو۔

(ھ) ایسی مرکب (دوہری) حالت پیدا ہوتی ہو جو کسی مجتہد کے نزدیک قابل تسلیم نہ ہو۔ واللہ اعلم

اسی طرح اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے بارہویں فقہی سیمنار بعنوان ''فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت'' کی تجاویز بھی پیش خدمت ہے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے فیصلے ملاحظہ ہو۔

فقہی اختلاف کی شرعی حیثیت:

(۱) احکام شرعیہ کے دو حصے ہیں: منصوص اور غیر منصوص، منصوص سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں، اور غیر منصوص سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے اجتہاد واستنباط سے ہے۔ بلاشبہ ائمہ وفقہاء کے اجتہادات واستنباطات اوران کا فقہی ذخیرہ ہمارا قیمتی سرمایا اور شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں۔

(۲) ائمہ مجتہدین کے درمیان مسائل میں جو اختلاف رائے ہے وہ اختلاف حق و باطل نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ مسائل کی ایک بڑی تعداد وہ ہے جن میں افضل، غیر افضل، راجح، غیر

راجح کا اختلاف ہے، باقی مسائل میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ایک رائے صواب باحتمال خطااور دوسری رائے خطا باحتمال صواب پر محمول ہے۔

(۳) عامی جو کتاب وسنت اور دلائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کے لئے راہِ عمل یہ ہے کہ وہ کسی معتمد ومستند عالم دین سے مسئلہ شرعی معلوم کرکے اس پر عمل کرے، وہ اسی طرح شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا۔

(۴) ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا یا ان اکابر سلف کی مذمت کرنا یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر کا نشانہ بنانا قطعاً حرام ہے اور یہ کسی مسلمان کے لئے دنیا وآخرت میں سخت بدنصیبی اور خسارہ کا سبب ہے۔

(۵) اختلافی مسائل میں سلف صالحین کی روش رواداری، ادب واحترام، ایک دوسرے کے مقام ومنصب کو ملحوظ رکھنے اور ان کے علوم ومعارف کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی رہی ہے، ان حضرات نے علمی مباحثات میں ان آداب کی پوری رعایت کی ہے، بلاشبہ سلف صالحین کی روش ہمارے لئے مشعل راہ ہے، افراد امت کی ذمہ داری ہے کہ اسی روش کو اختیار کریں اور اختلافی مسائل میں راہِ اعتدال پر چلیں۔

(۶) اگر وقت اور حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورت حال کا شکار ہو اور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک پر عمل حرج اور دشواری کا باعث ہو اور دوسری فقہی رائے پر عمل سے یہ حرج دور ہو جائے تو ایسی صورت میں علماء وفقہاء جو اصحاب ورع وتقویٰ اور ارباب علم وفہم ہوں ان کے لئے دوسری رائے پر فتویٰ دینا جائز ہے جو باعث دفع حرج ہو، البتہ اس طرح کے مسائل میں انفرادی طور پر فتویٰ دینے کے بجائے اجتماعی طریقہ اختیار کیا جائے۔

(۷) ایسے مسائل جن میں مستند علماء وفقہاء کی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھے اور

مسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائے کو دفع حرج کے لئے اختیار کرے اور اس پر فتویٰ دے ،اور دوسری جماعت اس سے اختلاف کرے اور اس فقہی رائے کو اختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے،ایسی صورت میں عام لوگوں کے لئے اس رائے پر عمل کرنا جائز ہے جس میں عدول کر کے سہولت کی راہ اختیار کی گئی ہے،اور اصحاب افتاء کے لئے اس رائے پر بھی فتویٰ دینا جائز ہے۔(بارہواں فقہی سیمنار (بستی) بتاریخ ۵-۸/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۴/فروری ۲۰۰۰ء) (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے :ص/۱۷،۱۸)

÷÷=============÷÷

فہارس المراجع والمصادر

نمبر	اسماء کتب	نمبر	اسماء کتب
۱	فتاویٰ ابن تیمیہ	۱۹	التعریفات
۲	کتاب المیزان للشعرانی	۲۰	التعریفات الفقھیہ
۳	المسودہ لابن تیمیہ	۲۱	تاج العروس
۴	تیسیر التحریرلابن امیر بادشاہ	۲۲	الأشباہ والنظائر
۵	عقد الجید	۲۳	شامی
۶	طحطاوی	۲۴	خلاصۃالتحقیق فی حکم التقلیدوالتلفیق
۷	رسم المفتی	۲۵	الموافقات
۸	نھایۃ السول	۲۶	بدائع الصنائع
۹	فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت	۲۷	رسائل ابن عابدین
۱۰	التقریروالتحبیر	۲۸	عالمگیری
۱۱	الاحکام للآمدی	۲۹	مشائخ البلخ من الحنفیۃ
۱۲	بحر الرائق لابن نجیم	۳۰	ارشاد الفحول للشوکانی
۱۳	حاشیۃ العطارعلی جمع الجوامع	۳۱	اصول الفقہ الإسلامی للزحیلی
۱۴	مقدمہ شرح مھذب	۳۲	سلم الوصول شرح نھایۃ السول
۱۵	لسان العرب	۳۳	فتح القدیر
۱۶	فتاوی الحدیثیہ	۳۴	الفتاوی الکبریٰ
۱۷	تفسیر کبیرللرازی	۳۵	اعلام الموقعین
۱۸	روح المعانی للآلوسی	۳۶	تفسیر قرطبی
۳۷	تھذیب التھذیب	۴۹	اجتہاد کی حاجت وضرورت

۳۸	البحر المحيط للزركشي	۵۰	فتاویٰ رشیدیہ
۳۹	المستصفیٰ للغزالی	۵۱	فتاوی محمودیہ
۴۰	اعلاء السنن	۵۲	الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد
۴۱	الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف	۵۳	تقریر الشربیتی علی جمع الجوامع
۴۲	اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ	۵۴	نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے
۴۳	قاموس الفقہ	۵۵	اجتہاد و تقلید (حکیم الإسلامؒ)
۴۴	مباحث فقہیہ	۵۶	دین کی تفہیم وتشریح
۴۵	مجمع الفقہی الاسلامی جدہ کے فیصلے	۵۷	فقہ حنفی کے اصول
۴۶	جواہر الفقہ	۵۸	الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ
۴۷	احسن الفتاویٰ	۵۹	البلاغ مفتی اعظم نمبر
۴۸	امداد الفتاویٰ	۶۰	تذکرۃ الظفر